JULY 2023 ذی الحجہ ۱۴۴۴ھ

ماہنامہ

مظاہر علوم

سہارنپور



دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور (یوپی)

جامعہ مظاہر علوم کا ترجمان

ماہنامہ

مظاہرِ علوم

سہارنپور

جلد نمبر ۲۹ شمارہ نمبر ۳

ذوالحجہ ۱۴۴۴ھ جولائی ۲۰۲۳ء

نگران

حضرت مولانا سید محمد شاہد مدظلہ امین عام جامعہ ہذا

مدیر مسئول

حضرت مولانا سید محمد عاقل مدظلہ ناظم جامعہ ہذا

مدیر تحریر

مولانا عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

مجلس ادارت

- مولانا محمد ساجد حسن مظاہری
- مولانا محمد خالد سعید اعظمی
- مولانا مفتی شعیب احمد بستوی
- مولانا مفتی بشیر احمد سہارنپوری
- مولانا محمد معاویہ سعدی گورکھپوری

زرِ تعاون

فی شمارہ ــــــ ۳۰ روپے

سالانہ زرتعاون ــــــ ۳۰۰ روپے

بیرون ملک سالانہ ــــــ ۲۵ ڈالر

ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ مظاہرِ علوم سہارنپور ۲۴۷۰۰۱ (یوپی)

MAZAHIR ULOOM MONTHLY MAGAZINE

SAHARANPUR 247001(U.P.) INDIA

Ph: 0132-2655542

Email-jamiamazahir@gmail.com

اس شمارے میں

اداریہ	ایک پیغام	عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی	۳
درس قرآن	سود خور	مولانا محمد ساجد حسن سہارنپوری	۷
انوار حدیث	بھلا اور برا مال	حضرت مولانا زین العابدین اعظمیؒ	۱۱
مقالات و مضامین	داخلی بگاڑ	مولانا شمس الحق ندوی	۱۵
	اخلاقی انقلاب	مولانا محمد اللہ قاسمی	۱۷
	قرآن کریم اور سائنس (۲)	مولانا محمد معاویہ سعدی	۲۴
	بہترین انسان	مولانا عبید اللہ خالد	۲۹
	مسلم پرسنل لا میں مداخلت	عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی	۳۱
	قرآنی واقعات	مفتی عبداللہ سہارنپوری	۳۵
	جعلی پیر کی تلبیس	مولانا محمد راشد گورکھپوری	۳۸
	ملفوظات (حکیم الامتؒ)	مفتی شعیب احمد بستوی	۴۲
شریعت کی نظر میں	فتاویٰ مظاہر علوم	دار الافتاء مظاہر علوم سہارنپور	۴۴
	اخبارِ مظاہر	عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی	۴۷

○ دائرہ کا سرخ نشان آپ کی مدت خریداری ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ کے لیے رقم ارسال فرمائیں۔

☆ شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

☆ جواب طلب امور کے لیے لفافہ اور خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

☆ ماہنامہ، انگریزی ماہ کی ۲/تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ ۱۰/تاریخ تک موصول نہ ہونے پر مطلع فرمائیں۔

نوائے سحر

ایک پیغام؛ حجاج کرام کے نام

عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

جس وقت یہ شمارہ آپ کی خدمت میں پہنچے گا اس وقت حجاج کرام کا کاروان شوق ومستی اپنے اپنے گھروں کو واپس آرہا ہوگا، نگاہِ شوق؛ تجلیات خداوندی کے خصوصی مظہر، مسجد حرام کی زیارت سے مشرف ہوچکی ہوگی، مسجد نبوی اور روضۂ اقدس پر حاضری نے عشاقانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلوب میں ٹھہراؤ پیدا کردیا ہوگا، کتنے خوش نصیب ہیں وہ حضرات جو حج مبرور کی سعادت سے بہرہ ور ہوکر رجع کیوم ولدته امه کا پروانہ لیے اپنے خویش واقارب سے ملاقات کررہے ہوں گے، کتنے مقدر کے سکندر ہوں گے جنھوں نے اپنے خوب خوب حوصلے نکالے ہوں گے، کبھی غلاف کعبہ سے چمٹ کر عصیان وخطا سے معمور زندگی پر ندامت کے آنسو بہائے ہوں گے، ملتزم اور میزاب رحمت کے پاس رب عالم کے حضور اپنی دلی آرزوؤں اور تمناؤں کا اظہار کرکے دامن مراد بھرلیا ہوگا، صفاو مروہ کی سعی کرکے زندگی کے عملی میدان میں خیرات وحسنات کی طرف سعی کرنے کا عہد کیا ہوگا، مقام ابراہیم پر دوگانہ ادا کرکے رب جلیل کے حضور نیازمندی کا نذرانہ پیش کیا ہوگا، رمی جمرات کے رکن کی ادائیگی کرکے زندگی بھر نفس وشیطان کے مکروفریب میں نہ آنے کا پیمانِ وفا باندھا ہوگا، لبیک اللھم لبیک کے مستانہ وار نعروں سے مکہ کی ہر وادی اور مقامات مقدسہ کو قیامت کے دن کے لیے گواہ بنالیا ہوگا۔

آج ہر قسم کی سفری آسانیاں موجود ہیں، آپ جیسے چاہیں حج کرسکتے ہیں مگر دیکھئے کہ حج کے مقدس اجتماع سے آپ کیا لے کر لوٹے ہیں اور آپ نے کیا کھویا اور کیا پایا ہے؟

اب سے کئی سو سال پہلے علامہ ابن الحاج اندلسیؒ نے اپنے زمانہ سے پہلے کے علماء کا قول نقل کیا ہے کہ جب وہ کھاتے پیتے اور خوش حال لوگوں کو سفر حج میں دیکھتے تھے تو لوگوں سے کہتے تھے کہ ''لا تقولوا اخرج فلان حاجاً ولکن قولوا اخرج مسافراً، فلاں مالدار کے بارے میں یہ نہ کہو کہ وہ حج کے لئے نکلا ہے بلکہ یہ کہو کہ مسافر بن کر نکلا ہے''۔ (حج کے بعد، قاضی اطہر مبارکپوریؒ ص۔ ۲۲)

مقامات مقدسہ کی زیارت اور بیت اللہ شریف کا حج ایک عظیم رکن کی ادائیگی تک محدود نہیں ہے بلکہ

حج بیت اللہ سے سرفراز ہونا وہ ربانی اعزاز ہے جو بارگاہ رب العالمین سے انہیں منتخب اور قسمت مآب فرزندان توحید کو عطا کیا جاتا ہے جنہوں نے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے اعلان حج پر لبیک کہا تھا، حکمِ خداوندی

وَ اَذِّنۡ فِی النَّاسِ بِالۡحَجِّ یَاۡتُوۡکَ رِجَالًا وَّ عَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاۡتِیۡنَ مِنۡ کُلِّ فَجٍّ عَمِیۡقٍ۔ (سورۃ الحج نمبر ۲۷)

اور (اے ابراہیم جب ہمارے گھر بیت اللہ کی تعمیر سے فارغ ہو چکے تو اب) لوگوں میں حج کا اعلان کر دیں وہ تمہارے اعلان پر آئیں گے پیدل اور دبلی کمر والی اونٹنیوں پر گہری وادی سے)

گویا ایک حاجی کا مقام و مرتبہ اتنا بلند و بالا اور اس کی شان اتنی عالی و نرالی ہے کہ وہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعہ اللہ کے بلاوے پر اس وادی غیر ذی زرع میں بحیثیت مہمان خصوصی پہونچا ہے، جس وادی کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے خانوادے کے ذریعہ آباد کیا اور دنیا میں اللہ کے نام پر اس کی بندگی واطاعت اور عبادت کے لئے سب سے پہلا مقامِ عبادت تیار کیا تھا، جہاں کی زیارت کا مقصد خالص الٰہ العالمین کے تئیں فروتنی و خود سپردگی، سرافگندی قرار پایا اور جس کو حرم محترم سے بلاوا آ گیا تو اس بندۂ مومن کی حیثیت دیگر تمام مسلمانوں سے بایں معنی بڑھ گئی کہ رب البیت العتیق کے وہ مدعو خصوصی ہو گئے، اور دنیا کا یہ نظامِ ضیافت ہے کہ جب بھی کوئی بڑی شخصیت یا بادشاہِ وقت کسی کو اپنا مہمان بناتا ہے تو اس کی واپسی بڑے اعزاز و اکرام اور نوازشات کے ساتھ ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی میزبانی کا موازنہ ہم دنیا کے کسی شہنشاہ کی میزبانی سے نہیں کر سکتے کیونکہ وہ احکم الحاکمین ہے اور اس کے خزانے میں کسی چیز کی نہ کمی ہے اور نہ ہی کمی کا گمان ہو سکتا ہے، اس لئے اس ذات کریمی کا انداز نوازش اور اصول کرم فرمائی بھی سب سے نرالا ہے، جس کی ایک جھلک اس حدیث کے اندر ملتی ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مَنۡ حَجَّ فَلَمۡ یَرۡفُثۡ وَلَمۡ یَفۡسُقۡ رجع کیوم ولدتہ اُمُّہ (رواہ البخاری ومسلم)

جس نے حج کیا اور اس دوران فسق وفجور اور گناہ ومعاصی سے خود کو بچائے رکھا تو گناہوں سے ایسا پاک وصاف ہو کر اپنے گھر لوٹتا ہے جیسے کہ ابھی کسی ماں نے بچہ کو جنم دیا ہو۔

ایک دوسری حدیث میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ترغیب دی ہے کہ

جب حاجی حج کر کے واپس آئے تو اس سے ملاقات کرو، سلام ومصافحہ کرو اور اس سے اپنے لئے گھر میں داخل ہونے سے قبل بخشش کی دعاء کرنے کے لئے کہو کیونکہ وہ مغفورلہ ہے یعنی گناہوں سے بخشا بخشایا (رواہ احمد)

یہ دونوں حدیث اور اس جیسی متعدد احادیث ایک حاجی کے بلند درجات اور امتیازی حیثیت کو بتاتی ہیں بلکہ مسلمانوں کو تاکید کی جارہی ہے کہ حاجی کا استقبال کرو اس سے جاکر ملو، اس کا اعزاز کرو۔

آخر اس قدر اہتمام کیوں؟ یہی ایک حاجی کو اپنے بارے میں غور کرنے کی چیز ہے کہ وہ کون سی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے جس نے اس کی انفرادی حیثیت کو اجتماعی درجہ میں بدل دیا ہے، میں انہیں اہم نکات کی جانب اپنے بلند اقبال حجاج کرام کی توجہات مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

ایک حاجی جب سوئے حرم بحالت احرام لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ پڑھتے ہوئے جاتا ہے تو بظاہر وہ اسلامی معاشرہ کا ایک فرد ہوتا ہے، لیکن حقیقت میں وہ پورے معاشرے کی نمائندگی کرنے جارہا ہے، ان تمام لوگوں کا نمائندہ بن کر بیت اللہ شریف روانہ ہورہا ہے جن لوگوں کو اللہ نے حج کی نعمت سے ابھی نہیں نوازا ہے، مگر ان کا ایک ترجمان اپنے دربار کے لئے منتخب کیا ہے۔

حاجی کی عظیم ترین ذمہ داری یہ ہے کہ وہ خالص اللہ کی رضا کے لئے اپنے اہل وعیال اور رشتہ داروں وقرابت داروں کو چھوڑ کر جارہا ہے کہ بارگاہ رب العالمین میں اپنی بندگی کا نذرانہ پیش کرے اور اپنے خاندان ومعاشرہ اور علاقہ کے تمام فرزندان توحید کی بخشش ونوازش کی درخواست کرے، وہ اپنے لئے خیر وبرکت طلب کرنے کے ساتھ ساری انسانیت کے لئے ہدایت ورحمت کی دعا کرے، وہ اپنی ہر ادا سے اپنی سچی محبت اور فداکاری واطاعت شعاری کا ثبوت دے اور اس جیسی محبت وفدائیت اپنے تمام مسلمان بھائیوں کے لئے چاہے۔

ایک حاجی اپنی ملت کی طرف سے اسلام کی اس بین الاقوامی کانفرنس میں شریک ہونے گیا تھا جس میں دنیا کے ہر خطہ اور علاقہ اور ہر نسل وجنس کے منتخب لوگوں کو اللہ نے بلایا تھا تاکہ وہ اسلامی وحدت ومساوات اور ایمانی صلابت کا منظر خود بھی دیکھیں اور اس کا عملی حصہ بنیں، پھر اپنے اپنے وطن اور ملک میں جب واپس جائیں تو یہی رنگ لے کر جائیں اور میدان عرفات کی انسانی وحدت، اسلامی مساوات، ایمانی جذبات کا نقشہ اپنی قوم وملت کے سامنے اپنے قول وگفتار سے بھی پیش کریں اور اپنے عمل وکردار سے بھی اس نمونہ کو دنیا کو دکھائیں کہ مسلمان خواہ جس نسل وجنس اور رنگ وروپ کا ہو لیکن اس کی ذات پر صرف ایک ہی رنگ غالب رہتا ہے، اللہ کا رنگ (صبغۃ اللہ)

حاجی کی اس ترجمانی کے منصب کو اس مثال سے بھی سمجھ سکتے ہیں کہ اقوام متحدہ ہو یا کوئی ملکی وبین

الاقوامی سطح کی تنظیم، ہر ملک کا ایک نمائندہ اس میں پوری قوم کی نمائندگی کرتا ہے اوراس کی بات پورے ملک کی بات مانی جاتی ہے اوراس کے ذریعہ پورے ملک کو پیغام دیا جاتا ہے،اس لئے اس کو ہر حال میں اپنی اہم ذمہ داری کا خیال رکھنا ہوتا ہے اس کی ایک معمولی سی غلطی سے پورا ملک رسوا ہوسکتا ہے،اس نمائندہ کی ہر ہر حرکت پوری ملت اورقوم سے جڑ جاتی ہے اس کا اعلیٰ کردار ملک کے وقار کو بلند کرتا ہے اور اس کی ادنیٰ سی لغزش کا خمیازہ پورے ملک کو بھگتنا پڑتا ہے۔

حج سے لوٹنے والا حاجی اس دعوت ومشن کو جاری رکھنے کا وعدہ کرکے آیا ہے جو رسول انقلاب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں تمام صحابہ کرام سے اپنے اس فرمان کے ذریعہ لیا تھا بلغوا عنی و لو آیۃ مجھ سے تم ایک آیت بھی سنے ہو تو میری نیابت کرتے ہوئے ہر جگہ اس کو پہونچاؤ،اسی دعوتی مشن کو قیامت تک جاری رکھنے کے ذمہ دار تمام حجاج کرام ہیں۔

حاجی نے اسی میدان عرفات میں حاضر ہوکر ذات و پات،خاندان وقبیلہ کی برتری کو ٹھکرایا ہے جس عرفات کے میدان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو مخاطب کرکے فرمایا کلکم من و آدم من تراب لافضل لعربی علی عجمی و لا لعجمی علی عربی و لا لابیض علی اسود و لا لاسود علی ابیض الا بالتقوی۔

تم سب اولاد آدم ہو اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے تھے کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر اور کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے مگر تقویٰ کے ذریعہ۔

لہٰذا ہر حاجی پر خاص طور پر لازم ہوتا ہے کہ نہ اس کی ذات میں کسی قسم کی عصبیت باقی رہے نہ اپنی قوم میں عصبیت کو فروغ پانے دے اور اپنی طاقت وصلاحیت پر ہر اس نظریہ کی مخالفت کرے جس سے ذات برادری اور قبیلہ وخاندان نیز رنگ ونسل کی فوقیت کا احساس پیدا ہوتا ہو۔

یہ چند وہ نکات ہیں جن کو اگر حجاج کرام سمجھ لیں اور عملی کوشش کرتے رہیں تو حقیقت میں وہ حج کے پیغام وحدت ومساوات اور اعلان بندگی واخوت کو عام کرنے والے ہوں گے، اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے والے اوراپنے مقام کو محسوس کرنے والے ہوں گے۔

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں	مجھے ہے حکم اذاں لاالہ الا اللہ

درسِ قرآن

سود خور کی سزا

مولانا محمد ساجد حسن
استاذ حدیث وتفسیر مظاہر علوم سہارنپور

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبٰوا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهٰى فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللّٰهِ وَمَنْ عَادَ فَأُولٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (البقرة:۲۷۵)

جولوگ سود کھاتے ہیں وہ نہیں اٹھیں گے قیامت کے دن مگر جس طرح اٹھتا ہے وہ شخص کہ جس کے حواس کھودیئے ہوں شیطان نے چھوکر، انہوں نے کہا کہ بیع بھی تو ایسی ہی ہے جیسے سود لینا حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے پھر جس کو پہونچی نصیحت اپنے رب کی طرف سے اور وہ باز آگیا تو اس کے واسطے ہے جو پہلے ہو چکا اور معاملہ اس کا اللہ کے حوالے ہے اور جو کوئی پھر سود لیوے تو وہ لوگ دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

تشریح:

حضرت عبداللہ بن سلامؓ فرماتے ہیں کہ روز قیامت ہر نیک و بد کھڑا ہو سکے گا مگر جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن اپنی قبروں سے نہیں کھڑے ہوں گے مگر جس طرح وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جس کو جنات نے لپٹ کر خبطی اور بدحواس بنادیا ہو، سود خور دنیا میں مال کی حرص، عشق اور خبط میں گرفتار رہا اور اسی خبط اور خیال میں مرا اور اسی خبط کی حالت میں اس کا حشر ہوگا، یہ سزا اس لئے تجویز ہوئی کہ یہ سود خور حلال اور حرام کو ایک کرنا چاہتے ہیں اور سود کے حلال کرنے کے لئے استدلال میں یہ کہتے ہیں کہ بیع یعنی خرید و فروخت اور سوداگری بھی تو مثل سود کے ہے جس طرح بیع میں زیادتی اور نفع ہوتا ہے اسی طرح سود میں بھی زیادتی اور نفع ہوتا ہے دونوں میں فرق نہیں پھر کیا وجہ کہ بیع تو جائز ہو اور سود حرام ہو۔

رِبا عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی: زیادتی کے ہیں، اسی کو ہندی میں بیاج، عوامی زبان میں سود، انگریزی میں انٹرسٹ interest کہتے ہیں، یہ زیادتی خواہ قرض میں دی ہوئی رقم سے زیادتی کی

شکل میں ہو یا خرید و فروخت میں ہو مثلاً ایک کوئنٹل گندم کے عوض، ایک کوئنٹل ایک کلو لینا، شریعت مطہرہ نے اسے حرام قرار دیا ہے۔

جمہور علماء کا قول ہے کہ آیت کا حکم مجمل ہے کیونکہ تجارتی نفع تو شرعا حرام نہیں، آیت **لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم** میں صاف صراحت ہے کہ اپنے رب کا فضل (تجارتی نفع) طلب کرنے میں تم پر گناہ نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ آیتِ مذکورہ بالا میں تجارتی نفع کی کوئی مخصوص شکل حرام ہے جس کو آیت میں بیان نہیں کیا گیا اور اس کا علم شارع کی طرف سے ہی ہوسکتا ہے۔ لہٰذا آیت مذکورہ مجمل قرار پائی (اور دوسری جگہ شارع کے بیان سے اس کی توضیح ہوئی ہے) چنانچہ حضرت عبادہ بن صامتؓ کی روایت کردہ مندرجہ ذیل حدیث میں جن چیزوں کے تبادلہ میں کمی بیشی کو ممنوع قرار دیا ہے وہ اجمال آیت کا بیان ہے۔

> حضرت عبادہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سونا سونے کے عوض، چاندی چاندی کے عوض، گیہوں گیہوں کے عوض، جَو جَو کے عوض، چھوارے چھوارے کے عوض اور نمک نمک کے عوض، برابر سرابر، نقدا نقد فروخت کرو اور جب یہ اقسام مختلف ہوں تو جیسا چاہو (کمی بیشی کے ساتھ) فروخت کرو۔

جمہور کے نزدیک مذکورہ اشیاء میں تو حرمت منصوص ہی ہے لیکن حکم کی بناء، سبب پر ہے لہٰذا جہاں سبب حرمت موجود ہوگا، حکم حرمت بھی ہوگا چنانچہ ایک گروہ کے نزدیک محض مالیت علت ربوا ہے۔ لیکن اکثر علماء کا مسلک ہے کہ ہر جگہ علت ایک نہیں ہوتی اس لئے سونے چاندی میں علت جدا ہے اور باقی چار چیزوں میں جدا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک وزن علت ہے پس جو چیزیں وزن کر کے فروخت ہوتی ہوں جیسے لوہا، تانبا، پیتل وغیرہ سب میں ربوا حرام ہے۔ باقی چاروں چیزوں میں جنسی اتحاد کے ساتھ دونوں کا پیمانہ اور ناپ سے فروخت ہونا حرمت ربوا کی علت ہے خواہ وہ کھائی جاتی ہوں یا نہ کھائی جاتی ہوں۔

سود کی مذمت

سود سے مال بظاہر بڑھتا ہوا نظر آتا، مگر اس کا انجام قلت اور فنا ہے جیسے کسی آدمی کے بدن پر ورم آجائے اور وہ متورم ہو کر، سوج کر موٹا ہوجائے تو بظاہر وہ موٹا اور فربہ ہے مگر سب جانتے ہیں کہ انجام اس کا ہلاکت ہے، مال کے ختم ہونے و مٹنے کی مختلف قسمیں ہیں ایک یہ کہ مال ہی جاتا رہے مثلاً چوری ہوجائے یہ تو

ظاہری مٹنا ہے۔اورایک مٹنا معنوی طریقہ سے ہوتا ہے وہ یہ کہ سودوالااس مال سے خود نفع نہیں اٹھاپاتاایسی ایسی بیماریاں لاحق ہوجاتی ہیں جن کی وجہ سے فاقہ کر کے عمر پوری ہوتی ہےاور کھانا تک نصیب نہیں ہوتا۔

حضرت عبدللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ سود سے اگرچہ مال بڑھتا ہےمگر انجام کار گھٹتا ہے۔

عن ابن مسعود، عن النبيِ صلى الله عليه وسلم قال:ما أحد أكثر من الربا، إلا كان عاقبةأمر ه إلى قلة (سنن ابن ماجۃ،رقم ۲۲۷۹)

سود لینے والے پرلعنت

سود ایسا بدترین گناہ ہے کہ اس میں کسی بھی طرح کی شرکت ومعاونت،موجب لعنت ہے چنانچہ سود لینے والے،سود دینے والے،سود کی دستاویز لکھنے والے،سود کی گواہی دینے والے سب پر حدیث شریف میں لعنت آئی ہے،اورسب کو نفس گناہ میں برابر شمار کیا ہے۔

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے لعنت فرمائی ہے، سود کھانے والے سود دینے والے،اورسود کا رقعہ لکھنے والے اورسود کی گواہی دینے والوں پراورفرمایا کہ یہ سب کے سب گناہ میں برابر ہیں۔

عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُ–قَالَ:لَعَنَ رَسُولُ اللّٰہِ–صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ–آكِلَ الرِّبَا وَمُؤْكِلَہُ وَكَاتِبَہُ وَشَاهِدَيْہِ،وَقَالَ:هُمْ سَوَاءٌ(رَوَاہُ مُسْلِم).

زنا سے زیادہ سخت

زنا کی برائی بنی آدم کے قلوب میں جاگزیں ہےاس لئے آدمی خود بھی اس سے محترز رہتا ہے اگر خدا نہ خواستہ کسی سے سرزد ہوجائے تواس کے کرنے والے کو زندگی بھر نہایت معیوب سمجھتا ہےاورسود کا ایک درہم کھانا چھتیس بار زنا کرنے سے زیادہ سخت ہے۔

حضرت عبدللہ بن حنظلہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
آدمی جوسود کا ایک درہم دانستہ کھاتا ہےاس کا جرم چھتیس بار زنا سے زیادہ سخت ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ حَنْظَلَةَ غَسِيلِ الْمَلَائِكَةِ قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ:دِرْهَمُ رِبًا يَأْكُلُہُ الرَّجُلُ وَهُوَ يَعْلَمُ أَشَدُّ مِنْ سِتَّةٍ وَثَلَاثِينَ زِنْيَةً(رَوَاہُ أَحْمَدُ ۵/۲۲۵)

ماں سے زنا

بدترین سے بدترین انسان بھی ماں کے ساتھ بدفعلی نہیں کرتا مگر سود لینا ماں کے ساتھ زنا کرنے کے برابر ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ سود ستر گناہ کا مجموعہ ہے، ان میں سب سے ہلکا درجہ اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کرنے کے برابر ہے۔

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الربا سبعون حوبا، أيسرها أن ينكح الرجل أمه (سنن ابن ماجۃ، رقم الحدیث ۲۲۷۴)

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شب معراج میں ایسے لوگوں پر پہنچا جن کے پیٹ سانپ بھری کوٹھڑیوں کی طرح تھے اور پیٹ کے باہر ہی سے سانپ نظر آرہے تھے میں نے پوچھا: جبرئیل! یہ کون ہیں؟ جبرائیل نے کہا: یہ سود خور ہیں۔

عن أبي هريرة، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أتيت ليلة أسري بي على قوم بطونهم كالبيوت، فيها الحيات ترى من خارج بطونهم، فقلت: من هؤلاء يا جبرائيل؟ قال: هؤلاء أكلة الربا (سنن ابن ماجۃ، رقم الحدیث ۲۲۷۳)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز صبح کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آج رات ہم نے ایک خواب دیکھا ہے کہ دو شخص میرے پاس آئے اور مجھ کو اٹھا کر کہا چلو میں ان کے ساتھ چلا۔ (یہاں تک کہ) ایک نہر پر پہونچے جو خون کی طرح لال تھی اور اس نہر کے اندر ایک شخص تیر رہا ہے اور نہر کے کنارے پر ایک شخص ہے اس نے بہت سے پتھر جمع کر رکھے ہیں وہ شخص تیرتا ہوا ادھر کو آتا ہے یہ شخص اس کے منہ پر ایک پتھر کھینچ کر مارتا ہے۔ جس کے صدمہ (چوٹ) سے پھر وہ اپنی جگہ پہونچ جاتا ہے۔ پھر وہ تیر کر نکلتا ہے یہ شخص پھر اسی طرح اسکو (مارکر) ہٹا دیتا ہے میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ ان دونوں نے جواب دیا کہ یہ (نہر میں موجود شخص) سود خور ہے۔

پیغام

سودی لین دین کرنے والوں کے بارے میں جس درجہ کی شدید وعیدیں مذکور ہیں، ایمان والوں کو انھیں سننے کے بعد حد درجہ احتیاط کرنی چاہیے، اگر اب تک کوئی کوتاہی ہورہی تھی تو اس سے شریعت کی رہنمائی کے مطابق توبہ کرنی چاہیے۔

انوارِ حدیث

بھلا اور برا مال

حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمیؒ
سابق صدر شعبہ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

عن أبی سعید الخدری قال قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فخطب الناس، فقال: لا واللہ ما اخشی علیکم ایھا الناس إلا ما یخرج اللہ لکم من زھرۃ الدنیا، فقال رجل: یا رسول اللہ أیاتی الخیر بالشر؟ فصمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساعۃ، ثم قال : کیف قلت؟ قال: قلت یا رسول اللہ أیاتی الخیر بالشر؟ فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :إن الخیر لا یاتی الا بخیر، أوَ خیرٌ ھو؟ إن کل ما ینبت الربیع یقتل حبطاً او یلم، إلا آکلۃ الخضر، اکلت حتی إذا امتلات خاصرتاھا استقبلت الشمس ثلطت او بالت، ثم اجترّت فعادت فاکلت، فمن یاخذ مالا بحقہ یبارک لہ فیہ۔ ومن یاخذ مالا بغیر حقہ فمثلہ کمثل الذی یاکل ولا یشبع۔

وزاد ”فسکت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقیل لہ : ماشأنک تکلم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا یکلمک؟ فرئینا انہ یُنْزَل علیہ، فمسح عنہ الرحضاء، وقال این السائل وکأنہ حمدہ . . . وان ھذا المال خضرۃ حلوۃ فنعم صاحب المسلم ما اعطیٰ منہ المسکین والیتیم وابن السبیل او کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانہ من یاخذہ بغیر حقہ کالذی یاکل ولا یشبع ویکون شھیدا علیہ یوم القیامۃ اھ۔ (صحیح مسلم ۱/۳۳۶، صحیح بخاری ۱/۱۹۸)۔

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر لوگوں کے سامنے خطبہ دیا اس خطبہ میں فرمایا اللہ کی قسم اے لوگو! میں تمہارے اوپر کسی چیز سے اتنا خائف نہیں جتنا اس بات سے ڈرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے دنیا کی زیب و زینت نکال دے تم اس میں پھنس جاؤ، اس وقت ایک آدمی نے پوچھا کہ مال و دولت جو خیر و بھلائی کی چیز ہے کیا وہ برائی لا سکتا ہے؟ سوال سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر خاموش رہے (وحی الٰہی سے اس کا جواب دینا چاہتے تھے) خاموشی کے بعد آپ نے سائل سے کہا کہ تم

نے کیا کہا تھا؟ عرض کیا میں نے یہ کہا تھا کہ خیر وبھلائی شر اور برائی کو پیدا کرسکتی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ خیر تو خیر ہی کو لاتا ہے بھلائی سے بھلائی ہی پیدا ہوتی ہے۔لیکن کیا یہ دنیا کی زیب و زینت، مال و دولت بھلائی ہے بھی؟ دیکھو موسم ربیع میں سبزہ لہلہاتا ہے خوب ہریالی ہوتی ہے مویشی اس کے کھانے کی رغبت کرتے ہیں مگر کوئی کوئی جانور اتنا کھالیتا ہے کہ بدہضمی سے مرجاتا ہے یا مرنے کے قریب ہوجاتا ہے مگر کوئی ہریالی کھانے والا جانور ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہریالی چرتا ہے جب اس کی کوکھ تن جاتی ہے تو سبزہ چھوڑ کر دھوپ میں آبیٹھتا ہے اور پیشاب پاخانہ کرکے فضلات کو خارج کردیتا ہے پھر جگالی کرنے لگتا ہے اب اس کو دوبارہ بھوک لگتی ہے تو پھر جاکر ہریالی چرنے لگتا ہے تو جس طرح یہ سرسبزی اس جانور کے لیے بھلائی ہے اور بدہضمی والے کے لیے برائی ہے اسی طرح مال حاصل کرنے والا ہے کہ ایک تو مال کو جائز طریقہ سے حاصل کرتا ہے اس کے لیے یہ مال بھلا ہے اور اس میں برکت دی جاتی ہے مگر جو مال ہی کی دھن میں رہتا ہے ناحق مال حاصل کرتا ہے اسکے لیے مال برا ہے اس کی مثال تو اس شخص جیسی ہے جو کھاتا رہے اور اس کا پیٹ نہ بھرے، یہ تو صحیح مسلم میں ہے، صحیح بخاری میں اس کی وضاحت کچھ زیادہ ہے وہ یہ کہ جب حضور خاموش ہوئے تو لوگوں نے سائل سے کہا کہ تم نے کیسا سوال کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کا جواب نہیں دیتے، پھر ہم کو محسوس ہوا کہ آپ پر وحی نازل ہورہی ہے جب وحی ختم ہوئی تو آپ نے پسینہ پوچھا اور خوشی کے لہجہ میں پوچھا سائل کہاں ہے۔۔۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مثال کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ بلاشبہ یہ مال شاداب ہے میٹھا اور خوش گوار ہے اگر کسی مسلمان کے پاس آئے تو وہ مسلمان کا اس وقت تک بہترین ساتھی ہے جب تک اس مال میں سے مسکین کو، یتیم کو، اور مسافر کو دیتا رہے (یا ایسی ہی بات فرمائی) اور جو آدمی اس کو ناحق لیتا ہے (یا صحیح طور سے لے کر صحیح مصرف میں خرچ نہیں کرتا) اور جمع کرتا رہتا ہے وہ اس شخص کے مانند ہے جو کھاتا جائے اور شکم سیر نہ ہو اور یہ مال اس شخص کے خلاف قیامت میں گواہ بنے گا۔(صحیح مسلم ۱/۳۳۶، صحیح بخاری ۱/۱۹۸)

اور صحیح بخاری کتاب الجہاد ص ۳۹۸ میں یہ حدیث یوں آئی ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قام علی المنبر فقال انما اخشی علیکم من بعدی ما یفتح علیکم من برکات الارض ثم ذکر زھرۃ الدنیا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا میں اپنے بعد تم لوگوں پر اسی چیز سے ڈرتا ہوں کہ تم پر زمین کی برکتیں کھول دی جائیں پھر آرائش دنیا کا ذکر فرمایا، ظاہر بات ہے کہ جب زمین سے حاصل شدہ مال و دولت برکتیں ہوگئیں تو بظاہر یہ محض خیر و بھلائی ہیں اب اس سے ڈرنے کا مطلب یہ ہوا کہ ان برکتوں سے کوئی برائی پیدا ہوگی تب تو آنحضرت خائف ہیں اس لیے سائل کو جو شبہ ہوا وہ برمحل

شبہہ تھا۔آپؐ اس کا جواب دینے کے لیے وحی کا انتظار کرنے لگے۔

کچھ دیر تک آپ خاموش رہے اتنے میں وحی الٰہی آگئی اور وحی کی شدت سے آپ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جبین مبارک عرق آلود ہوگئی، جب وحی ختم ہوئی،تو آپ نے پسینہ پونچھ کر خوشی کے لہجہ میں پوچھا کہ سائل کہاں ہے؟ سائل نے کہا میں یہیں ہوں یارسول اللہ! آپ نے فرمایا پھر سے کہو تم نے کیا کہا تھا سائل نے پھر وہی بات کہی کہ کیا بھلائی سے برائی پیدا ہوسکتی ہے آپ نے جواب دیا کہ نہیں بھلائی سے تو بھلائی ہی پیدا ہوتی ہے لیکن تم نے جو برکات الارض کو مطلقاً بھلائی سمجھ لیا وہ صحیح نہیں، کسی کے حق میں تو یہ بھلائی ہے اوراس سے بھلائی ہی پیدا ہوگی۔اور کسی کے حق میں یہ برائی ہے اس کے حق میں برائی پیدا ہوگی۔دنیا میں بھی اورآخرت میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین سے نکلنے والی برکتوں کے خیر وشر دونوں پہلوؤں کی پہلے ایک مثال سے وضاحت فرمائی۔

کہ موسم ربیع میں جنگل ہرا بھرا ہوجاتا ہے اللہ تعالیٰ اس موسم میں خوب سبزہ اگاتے ہیں ہر جانور اس کو للچائی نگاہوں سے دیکھتا ہے پھر کوئی تو اس سبزہ کے کھانے میں اتنا منہمک ہوجاتا ہے کہ اس کو پتہ ہی نہیں کہ بھوک ختم ہوگئی اب ہریالی چھوڑ دینی چاہئے کھاتا ہی رہتا ہے یہاں تک کہ بدہضمی کا شکار ہوجاتا ہے وہ بدہضمی اس جانور کے لیے جان لیوا ہوجاتی ہے بلکہ کبھی ہریالی کھا کر مر بھی جاتا ہے،اس کے حق میں یہ سبزہ خیر نہیں رہا بلکہ مرنے کا سبب بن گیا اور کوئی جانور ضرورت بھر کھا کر وہاں سے چل دیتا ہے پھر دھوپ میں سورج کی طرف رخ کر کے جگالی کرنے لگتا ہے جگالی کرتے کرتے چارہ ہضم ہوگیا، پیشاب پاخانہ کر کے فضلات کو خارج کردیا پھر بھوک لگ گئی تو دوبارہ جا کر ہریالی چرنے لگتا ہے اس کے حق میں یہ ہریالی خیر ہے اس سے بھوک بھی دفع ہوئی جسم بھی فربہ ہوگیا پس خیر سے خیر پیدا ہوا۔

اسی طرح یہ مال ودولت اور زمین سے نکلنے والی نعمتیں ہیں کہ دیکھنے میں بھی اور سوچنے میں خیر وخوبی کی چیز معلوم ہوتی ہیں نگاہ ان نعمتوں کی طرف اٹھتی ہے اور دل حاصل کرنے کے لیے للچاتا ہے اب آدمی دوقسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ ہیں جو اس کے حاصل کرنے میں اس طرح منہمک ہوتے ہیں کہ اس کو حاصل کرنے کے اسباب کو نہیں دیکھتے کہ حلال طریقہ سے اس مال کو حاصل کریں بلکہ جائز ناجائز جس طرح سے بھی مل جائے دریغ نہ کرے بس ان نعمتوں کو لینا ہے اور لیتے رہنا ہے اور مال کا فضلہ جو زکوۃ، صدقات کے

ذریعہ خارج کردیا جاتا ہے اس کی طرف توجہ ہی نہیں، بس یہی دھن ہے کہ لیتے جاؤ اور جمع کرتے جاؤ، اگر اپنے ملک میں گنجائش نہ ہو یا جمع کرنے میں کوئی خطرہ ہو تو غیر ممالک کے بینکوں میں جمع کرنے جاتے ہیں ان کی حالت دنیا میں اس بیمار جیسی ہوجاتی ہے جو کھاتا جائے اور بھوک نہ ختم نہ ہو اور آخرت میں یہی مال اس کے خلاف گواہ بن جائے گا۔ بلکہ گنجا سانپ بن کر اس کا پیچھا کرے گا وہ بھاگتا رہے گا مگر یہ سانپ اس کو پکڑ ہی لے گا، کسی کی گردن میں لپٹ کر دونوں جبڑوں کو نوچنے لگے گا اور کسی کے ہاتھ کو منھ میں رکھ کر چبانے لگے گا اس شخص کے حق میں یہ مال خیر نہیں ہوا اور اس سے کوئی بھلائی پیدا نہیں ہوئی۔

دوسری قسم کے آدمی وہ ہوتے ہیں جو للچائی نگاہوں سے مال کو دیکھتے تو ضرور ہیں لیکن حاصل کرنے میں منہمک نہیں ہوتے بلکہ اس کے حاصل کرنے کے اسباب میں غور کرتے ہیں کہ کون سا سبب حلال ہے اور کون سا سبب حرام جب کوئی برحق سبب تک رسائی ہوتی ہے مال کو حلال اور برحق طریقہ سے حاصل کرتے ہیں اور مال و دولت کے حاصل ہوجانے کے بعد اس کے فضلہ کو زکات دے کر خارج کردیتے ہیں اور نہ صرف زکوۃ دیتے ہیں بلکہ زکات کے علاوہ دوسرے مالی حقوق بھی ادا کرتے رہتے ہیں مسکینوں کو دیتے ہیں یتیموں پر خرچ کرتے ہیں راہ چلتے مسافروں کی خبر گیری کرتے ہیں اور اس جیسے دیگر کارنامے انجام دیتے ہیں ان کے لیے یہ مال دنیا میں بہترین ساتھی ہوتا ہے اور آخرت میں آفتاب کی تپش میں یہی صدقات اس کے سر پر سایہ کئے رہتے ہیں۔ اور تمام حاجت مندوں کی دعائیں اس کے ساتھ رہتی ہیں جن کی حاجتیں اس نے پوری کی ہوتی ہیں، اس کے حق میں یہ مال خیر ہے اور اس سے خیر ہی پیدا ہوا، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امت پر اپنے بعد دنیاوی زیب و زینت اور مال و دولت کا خوف سب سے زیادہ رہتا تھا۔ یہاں تک کہ فرمایا کہ ہر قوم کے لیے ایک فتنہ ہے اور میری امت کے لیے مال ہی فتنہ ہے اور اس مال کی اتنی فراوانی ہونے والی ہے کہ آدمی سونا چاندی لے کر نکلے گا کہ کسی مستحق کو یہ زکوۃ دے دے تو کوئی زکوۃ لینے والا نہ ملے گا ایک صحابی (عدی بن حاتم) نے فرمایا کہ آنحضرت نے تین باتیں فرمائی تھیں کہ اگر تمہاری عمر دراز ہوئی تو تم اس کو دیکھ لو گے میں نے دو چیزیں تو دیکھ لیں، راستہ کا امن اور کسری کا خزانہ فتح ہونا اگر تمہاری عمر لمبی ہوئی تو تم اس تیسری کو بھی دیکھ لو گے کہ آدمی مال لے کر نکلے اور کوئی اس کو قبول کرنے والا نہ ملے۔

تعمیر سیرت

اپنے داخلی بگاڑ پر بھی غور کیجیے!

مولانا شمس الحق ندوی

اس وقت پوری دنیا میں ظلم وزیادتی کا جو بازار گرم ہے، ہم اس کا تو بار بار ذکر کرتے ہیں اور خود اپنی مظلومیت کا بھی رونا روتے ہیں، لیکن خود ہمارے اپنے مسلم معاشرہ میں، گھر وخاندان میں بگاڑ وفساد نے پنجے گاڑ رکھے ہیں، اس کی طرف ہماری نظر نہیں جاتی۔ حالاں کہ اس وقت مسلمانوں میں ذلت ورسوائی کی جو شرم ناک صورت پائی جاتی ہے وہ ان کے اپنے داخلی بگاڑ ہی کا نتیجہ ہے۔

کیا مسلمانوں کو یہ تعلیم نہیں دی گئی ہے کہ مسلمان؛ مسلمان کا بھائی ہے؟ کیا یہ نہیں بتایا گیا کہ جس نے چھوٹوں پر رحم نہ کیا اور بڑوں کا احترام نہ کیا وہ ہم میں (یعنی امتِ مسلمہ) سے نہیں؟ کیا ہم کو یہ نہیں بتایا گیا کہ رحم کرنے والوں پر رحمن رحم کرتا ہے، زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔ پڑوسیوں کے حقوق ایسے بتائے گئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خیال ہوا کہ کہیں یہ وراثت میں حصہ دار نہ قرار دے دیے جائیں۔ ماں باپ کے حقوق کا یہ عالم ہے کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

> اے اللہ! تو ان کے ساتھ اپنے لطف وکرم کا ایسا معاملہ فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں ہم کو لاڈ پیار سے پالا۔

بڑے بھائی کے بارے میں بتایا گیا کہ : بڑا بھائی باپ کا درجہ رکھتا ہے۔ خالہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ : وہ ماں کے برابر ہے۔ پھوپھا، پھوپھی، خُسر، خوش دامن کے کیسے حقوق بیان کیے گئے ہیں اور صلہ رحمی کی کتنی سخت تاکید ہے!!! آخر درجہ کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

> جو رشتوں کو توڑے گا، میں اس سے قطع تعلق کرلوں گا۔

حد یہ ہے کہ اچھے خاصے دین دار قطع رحمی کا شکار ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ گھر گھر میں لڑائی، باپ بیٹے میں اختلاف، بلکہ قتل تک کے واقعات پیش آجاتے ہیں۔ بھائی بھائی کا حق مار رہا ہے، رشتے ناطے توڑے جارہے ہیں۔

ہم یورپ کے گھریلو نظام کی تباہی، بداخلاقی، بے مروتی، باپ بیٹے میں تاجر وگاہک جیسے تعلق، بہن بھائی میں محبت کے فقدان کا بڑے زوروں سے ذکر کرتے ہیں، جن کا نہ کوئی دین وعقیدہ ہے، نہ ہی اخلاقیات اور نہ ہی چھوٹے بڑے کے ادب واحترام کی کوئی تعلیم۔لیکن ہم جو کتابِ ربانی پڑھنے والے اور تعلیماتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دل سے ماننے والے ہیں، وہ کس بے راہ روی کے شکار ہیں؟

ایک بار سرکارِ دوعالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمع میں یہ ارشاد فرمایا کہ :

جو رشتہ داری کا پاس ولحاظ نہ کرتا ہو، وہ ہمارے پاس نہ بیٹھے۔ یہ سن کر ایک شخص مجمع سے اٹھا اور اپنی خالہ کے گھر گیا، جس سے کچھ بگاڑ تھا، وہاں جا کر اس نے اپنی خالہ سے معذرت کی اور قصور معاف کرایا، پھر دربارِ نبوت میں شریک ہوگیا۔ جب وہ واپس آ گیا تو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس قوم پر خدا کی رحمت نازل نہیں ہوتی جس میں ایسا شخص موجود ہو جو اپنے رشتہ داروں سے بگاڑ رکھتا ہو۔

اب ہم غور کریں کہ اس وقت ہمارے مسلم معاشرہ کا کیا حال ہے؟

دو حقیقی بھائیوں کے گھر ملے ہوئے ہیں، ایک کے گھر میں تقریب ہے، دوسرا اس میں شریک نہیں۔اتنا ہی نہیں، بلکہ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ ہزاروں خاندان ہیں، جن میں زمین وجائیداد کے سلسلہ میں برسہا برس تک جھگڑوں اور مقدمہ بازیوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

قطع تعلق تو ایک عام بات ہے، معمولی معمولی باتوں پر ایسا قطع تعلق کرلیا جاتا ہے کہ ایک دوسرے کی صورت دیکھنا گوارا نہیں کرتے۔ پھر خدا کی رحمت کیسے نازل ہوگی؟ اس وقت مسلمانوں میں کھلی ہوئی نحوست، ذلت ورسوائی، بدنامی وجگ ہنسائی کی جو افسوس ناک صورت حال ہے، کیا اس میں اس کے سوا کسی اور چیز کا دخل ہے؟

ہم غور کریں، دیکھیں کہ عزیزوں میں عزیز داری باقی ہے یا نہیں؟ ماں باپ کو اپنی اولاد سے اور اولاد کو اپنے ماں باپ سے وہ تعلق ہے جو ہونا چاہیے؟ اب عام صورتِ حال یہ ہے کہ غیروں کے ساتھ بھولے سے اگر نیکی ہوجائے تو ممکن ہے، مگر عزیزوں کے ساتھ نیکی کرنا گناہ کبیرہ ہے۔غیروں سے ہنسنا بولنا ہوتا ہے، مگر عزیزوں سے ملنے ہی میں توہین محسوس ہوتی ہے۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تو صلہ رحمی کی برکات کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ :

صلہ رحمی سے محبت بڑھتی ہے۔ مال بڑھتا ہے۔عمر بڑھتی ہے۔ روزی بڑھتی ہے۔ آدمی بُری موت نہیں مرتا۔اس کی مصیبتیں اور آفتیں ٹلتی رہتی ہیں۔ ملک کی آبادی اور سرسبزی بڑھتی ہے۔ گناہ معاف کیے جاتے ہیں۔نیکیاں قبول کی جاتی ہیں۔جنت میں جانے کا استحقاق حاصل ہوتا ہے۔

اسلامی تعلیمات

اسلام کا اخلاقی انقلاب

مولانا محمد اللہ قاسمی
شعبۂ انٹرنیٹ دار العلوم دیوبند

معاشرتی واجتماعی زندگی کے بنانے اور سنوارنے میں اخلاق کو نمایاں حیثیت حاصل ہے، بلکہ معاشرت کی پہلی اینٹ اخلاق حسنہ ہی ہیں، حسن اخلاق کے بغیر انسان نہ صرف یہ کہ انسان نہیں رہتا بلکہ درندگی وبہیمیت پر اتر آتا ہے، انسانیت کا زیور حسن اخلاق ہے۔لیکن چھٹی صدی عیسوی میں دنیا اخلاقی اعتبار سے کنگال اور دیوالیہ ہو چکی تھی، انسانیت وشرافت کی بنیادیں ہل چکی تھیں، تہذیب واخلاق کے ستون اپنی جگہ چھوڑ چکے تھے، تہذیب وتمدن کے گہواروں میں خودسری، بے راہ روی اور خلاقی پستی کا دور دورہ تھا، روم وایران اخلاق باختگی میں ایک دوسرے سے سبقت لے جارہے تھے، شراب عربوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، جوا جاہلی معاشرے میں بڑائی اور خوبی کی بات تھی، سودی لین دین، کمزوروں کا استحصال اور اس سلسلے میں بے رحمی وسخت گیری عام تھی، بے شرمی وبے حیائی، رہزنی وقزاقی معمولی بات تصور کی جاتی تھی، جنگ جوئی اور سفاکی بائیں ہاتھ کا کھیل بن گیا تھا، بے جا انتقام اور تعصب کا شمار قومی خصوصیتوں میں ہوتا تھا، ایسے اخلاق سوز اور غیر انسانی ماحول میں اسلام نے جو عمدہ اخلاقی نظام پیش کیا وہ انسانی طبائع کے لیے اکسیر ثابت ہوا اور ان کی وجہ سے تہذیب وثقافت سے بے بہرہ قوم عرب میں ایسے اخلاقی نمونے پیدا ہوئے جن کی نظیر انسانی تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔

اسلام کا اخلاقی نظام

یوں تو ہر ملک وملت اور عہد وزمانے میں معاشرہ وماحول پر برا اثر ڈالنے والی عادات واطوار کو پسندیدہ نگاہوں سے نہیں دیکھا گیا ہے، بلکہ مذہب اور سماج میں اس کو جرم اور ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ چوری ڈاکہ، قتل وخوں ریزی، غیبت وبدگوئی، کینہ وحسد، تکبر وحق تلفی وغیرہ افعال وعادات ہر مذہب وسماج میں مذموم ہیں جب کہ وقار وسنجیدگی، خوش کلامی ونرمی، عدل وتواضع، امانت ودیانت وغیرہ ہر معاشرے میں اچھے اخلاق شمار کیے جاتے

ہیں۔لیکن اسلام کے اخلاقی نظام اور دیگر اخلاقی قدروں میں کئی اعتبار سے بہت فرق پایا جاتا ہے۔اسلام کے علاوہ دیگر نظاموں میں اچھے اور برے اخلاق کا معیار عقل سلیم، پاکیزہ شعور اور تجربہ ہے، جب کہ اسلام میں ان سب سے بڑھ کر ایک متعین اتھارٹی ہے اور وہ ہے اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتھارٹی۔اچھا اخلاق وہی ہے جسے اللہ و رسول نے اچھا اخلاق قرار دیا ہو اور اسی طرح برے اخلاق وہ ہیں جسے اللہ و رسول برا کہیں۔

اسلام میں اچھے اور برے اخلاق کا مسئلہ ایک طے شدہ مسئلہ ہے، وہ کسی انسانی عقل یا تجربہ کا محتاج نہیں۔اسلام نے کسی طرز عمل کو اچھا اخلاق یا برا اخلاق اس لیے نہیں کہا کہ اسے لوگ ایسا ہی کہتے اور سمجھتے چلے آئے ہیں بلکہ خود اسے اپنے اصولوں کی بنیاد پر اچھا یا برا کہا ہے۔اسلامی اخلاقیات چوں کہ مستقل بنیادوں پر قائم ہیں، اس لیے وہ ناقابل تغیر اور مستقل ہیں۔

اسلام کا اخلاقی نظام مختلف دائروں میں تقسیم ہے اور اس کی ابتداء انسان کی انفرادی زندگی سے ہوتی ہے۔معاشرہ کے ایک فرد کے بہ طور ایک انسان اخلاقی ذمہ داری کیا ہے اسے اسلام نے اپنی جامع اخلاقی تعلیمات میں سمیٹ دیا ہے۔جھوٹ و بہتان طرازی، کبر و نخوت، ظلم و ستم، بدسلوکی و بے رحمی، فریب و دھوکہ دہی، شراب نوشی و جوابازی، زناکاری و بے حیائی، جنگ و جدال وغیرہ امور کو برائی قرار دیا گیا جب کہ اس کے بالمقابل عمدہ اخلاق کی ہمت افزائی کی گئی۔انفرادی دائرہ کے بعد گھریلو سطح پر والدین کے ساتھ حسن سلوک و خدمت گزاری کی تعلیم دی گئی۔بھائی بہنوں اور رشتہ داروں کے ساتھ احسان و صلہ رحمی، بیوی بچوں کے ساتھ قدر و محبت کی تعلیم دی گئی۔پھر گھریلو سطح سے اٹھ کر معاشرتی سطح پر پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ اور لوگوں کے ساتھ انسانی سلوک اور احترام کا درس دیا گیا۔تمام مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی اور تمام انسانوں کے ساتھ ہر حال میں عدل و انصاف، رواداری اور مساوات کا برتاؤ۔

اسلام کے نظام اخلاق کا حاصل یہ ہے کہ انسانی زندگی کے ہر پہلو اور ہر مرحلہ میں اعلی کردار کو اپنایا جائے۔اسلام نے باہمی معاملات کو مطلب پرستی اور خود غرضی نہیں بلکہ ہمدردی و خیر خواہی کے جذبہ سے انجام دینے کی تعلیم دی۔اسلام کی اخلاقی تعلیمات کی روح ہمدردی و خیر خواہی، عدل و انصاف اور مساوات و احترام نفس ہے۔اسلام نے نہ صرف یہ کہ ان اعلی اخلاقی اصولوں کا تصور پیش کیا جیسا کہ پہلے فلاسفہ اور مذاہب کی تعلیمات میں اس کی جھلک پائی جاسکتی ہے، لیکن اسلام کی خصوصیت یہ ہے اس نے یہ اعلی

اخلاقی اصول وضع کیے اور معاشرے میں اسے صدفی صدلا گو کر کے دکھا بھی دیا۔ اس سلسلے میں اسلام کی آواز اتنی مؤثر تھی کہ محض قرآن کے اس اعلان سے کہ شراب گندگی اور شیطانی عمل ہے؛ مدینہ کی گلیوں میں شراب بہنے لگی، حالاں کہ نشہ چھڑانا اور وہ بھی شراب کا کتنا مشکل ہے۔ آج ساری دنیا اس بارے میں پریشان ہے کہ قوم سے نشے کی لت کیسے ختم کی جائے ،مگر اسلام کی تاریخ گواہ ہے کہ قرآن نے اسے جڑ سے ختم کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی پوری زندگی اسلام کے اسی انقلاب آفریں اخلاقی نظام کا آئینہ ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ ترین اخلاق

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاریخ انسانی کے سب سے اعلیٰ اخلاقی معیار قائم کیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صدق گوئی اور سچائی کا یہ عالم تھا کہ کفار مکہ کے سردار ابوسفیان کو ہرقل کے دربار میں اس کے اس سوال پر کہ کیا تم نے کبھی محمد سے کچھ جھوٹ سنا ہے، یہ گواہی دینی پڑی کہ نہیں۔ (صحیح بخاری، باب بدء الوحی)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت و دیانت کا یہ حال کہ پورا مکہ آپ کا دشمن، آپ کی دعوت سے ان کو انکار،لیکن ان کی امانتوں کے لیے اگر کوئی محفوظ جگہ تھی تو اسی نبی ہاشمی کا مکان، صلی اللہ علیہ وسلم۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر و تحمل کی انتہا یہ تھی طائف کی خوں چکاں شام اور آپ کا لہولہان جسم، ایسا دن جس کے بارے میں آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ وہ میری زندگی کا سخت ترین دن تھا، اس دن جب پہاڑوں کا فرشتہ اللہ کے حکم سے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے کہ اگر آپ اجازت دیں تو طائف کے دونوں پہاڑوں کو ٹکرادوں اور یہ گستاخ قوم پس جائیں، اس وقت رحمۃ للعالمین کا جواب تھا کہ نہیں: میں اللہ سے امید کرتا ہوں کہ وہ ان کی نسل میں ایسے لوگ پیدا فرمائے گا جو صرف اللہ کی عبادت کریں گے اور کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ (صحیح بخاری، باب ذکر الملائکۃ)

اسی طرح فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس عفو و درگذر اور تواضع و شفقت کا ثبوت دیا، کیا اس کی نظیر کسی تاریخ میں ملنی ممکن ہے؟

غرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی اعلیٰ ترین اخلاق و اوصاف کا ایسا نمونہ ہے کہ اس سے بہتر نمونہ نہیں پیش کیا جا سکتا اور ایسا جامع اخلاقی دستور العمل کہ اس سے بہتر کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمدہ اخلاق کا فیضان تھا کہ آپ کی دعوت نہایت تیزی کے ساتھ عربوں میں پھیلتی چلی گئی، آپ اپنے بلند انسانی کردار سے دشمن کے دل کو فتح کر لیتے اور اس کی روح کو اسیر کر لیتے۔

صحیح مسلم کی روایت ہے کہ ایک مہم کے دوران صحابہ نے یمامہ کے سردار ثمامہ ابن اثال کو زندہ پکڑ لیا اور خدمت اقدس میں پیش کیا۔ آپ نے ان کا حال پوچھا تو انھوں نے کہا : اگر آپ چاہیں قتل کر دیں، چاہیں تو معاف کر دیں، اگر آپ معاف کر دیں تو آپ کا احسان مند ہوں گا اور اگر مال کی خواہش ہے تو وہ بھی پیش کر دوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بالآخر رہا کر دیا، جب کہ دشمنوں کے سردار کو رہا کرنے کا تصور بڑا ہی عجیب تھا۔ مگر ہوتا کیا ہے کہ وہی شخص جس کو آپ قید سے نکال رہے ہیں وہ بخوشی آپ کی غلامی میں آ رہا ہے۔ چناں چہ ثمامہ ایک قریبی باغ میں جا کر غسل کرنے کے بعد دوبارہ واپس آتے ہیں اور اپنے اسلام کا اعلان کرتے ہیں۔ (مسلم، حدیث ۳۳۱۰) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی ایسے بے شمار واقعات سے بھری ہوئی ہے۔

صحابہ: اخلاق وانسانیت کے مکمل پیکر

اسلام کی معجزاتی تاثیر نے ہی اخلاق و اقدار سے بیگانہ عرب قوم کو تہذیب اور اعلی اخلاق کا آئیڈیل بنا دیا۔ درس گاہ قرآنی کے اولین فضلاء یعنی صحابہ؛ دین و اخلاق اور سیاست وقوت کے مکمل پیکر تھے، ان میں انسانیت کی اپنے تمام گوشوں، شعبوں اور محاسن کے ساتھ نمود تھی۔ ان کی اعلی روحانی تربیت، بے مثال اعتدال، غیر معمولی جامعیت اور وسیع عقل کی بنا پر ان کے لیے ممکن ہوا کہ وہ انسانی گروہ کی بہتر طور پر اخلاقی اور روحانی قیادت کر سکیں۔ ان کے اعلی اخلاقی نمونے معیار کا کام دیتے تھے اور ان کی اخلاقی تعلیمات عام زندگی اور نظام حکومت کے لیے میزان کا درجہ رکھتی تھیں۔ ان میں فرد و جماعت کا تعلق حیرت انگیز طور پر روادارانہ اور برادرانہ تھا۔ وہ ایک معیاری دور تھا جس میں عدل وانصاف، صدق وسادگی، خلوص و وفا اور محبت والفت کی خوشگوار ہوائیں چلتی تھیں۔ اس سے زیادہ ترقی یافتہ دور کا انسان خواب نہیں دیکھ سکتا اور اس سے زیادہ مبارک و پر بہار زمانہ سوچا نہیں کیا جا سکتا۔

مدینہ کی ابتدائی زندگی میں مہاجرین وانصار صحابہ کے درمیان قائم ہونے والی "مواخاۃ" (بھائی چارگی) اخلاق وایثار کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بھائی چارگی کے ذریعہ ایک ایسے معاشرہ کی بنیاد رکھی جس کی بنیادیں اخلاق ومحبت، ایثار و ہمدردی اور مساوات کا خمیر شامل تھا، اس صالح معاشرہ کی ٹکسال سے حضرات صحابہ کی وہ جماعت تیار ہوئی جو رہتی دنیا تک کے تمام انسانوں کے لیے اعلی

ترین اخلاقی نمونے چھوڑ گئی۔ نمونہ کے طور پر حضرات صحابہ کے کچھ واقعات درج کیے جاتے ہیں۔

حلم اور تواضع اخلاق کا اعلی درجہ ہے جب کہ حق گوئی اخلاقی جرأت کا تقاضہ۔ حضرت عمرؓ کے اس واقعہ میں دونوں چیزیں اعلی درجہ کی پائی جاتی ہیں۔

حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے زمانے میں جب کہ آپ کی حکومت ملک عرب سے نکل کر شام و مصر اور عراق وایران تک پھیل چکی تھی، بھرے مجمع میں فرماتے ہیں: اگر مجھ میں کوئی غلطی دیکھو گے تو کیا کرو گے؟ مجمع میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا: بخدا اگر تمہارے اندر کوئی کجی پائیں گے تو تلوار سے اس کو درست کر دیں گے، حضرت عمر فاروقؓ نے اس شخص کے اس جملہ کے جواب میں یہ فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ مسلمانوں میں ایسے لوگوں ہیں جو عمر کی کجی کو تلوار سے درست کر دیں گے (**الحمد لله الذی جعل فی المسلمین من یقوم اعوجاج عمر بسیفه**)۔

اطاعت و فرماں برداری اور خلوص و بے نفسی کی عظیم مثال حضرت خالد بن ولیدؓ کے واقعہ میں ملتی ہے۔ آپ بے حد بہادر اور غیر معمولی فوجی قابلیت والے شخص تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت تک مسلسل اسلامی فوج کے کمانڈر رہے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے سلسلے میں کچھ شکایتیں تھیں، اس لیے اپنے زمانۂ خلافت میں حضرت خالدؓ کو سرداری سے معزول کر کے ایک معمولی سپاہی کے حیثیت دے دی۔ اس وقت وہ شام کے علاقہ میں فتوحات کے شاندار کارنامے دکھا رہے تھے۔ عین یرموک کی لڑائی میں جسے تقریباً حضرت خالدؓ اپنی سربراہی میں سر کر چکے تھے، اسی وقت خلیفۂ وقت نے انھیں معزول کر کے حضرت ابوعبیدۃ بن الجراح کو لشکر اسلامی کا سردار بنا دیا۔ فتح یرموک کے بعد فوجیوں کی ایک تعداد آپ کے پاس جمع ہوئی اور اس حکم کی مخالفت کی بات کی، لیکن انھوں نے ایسے ہر مشورہ کو ماننے سے قطعی انکار کر دیا اور حضرت ابوعبیدہؓ کی ماتحتی میں ایک معمولی سپاہی کی حیثیت سے لڑنے کو ترجیح دی اور ایک تاریخی جملہ ارشاد فرمایا: **انی لا اقاتل فی سبیل عمر ولکن فی سبیل رب عمر** (میں عمر کی راہ میں جنگ نہیں لڑتا، بلکہ عمر کے رب کی راہ میں لڑتا ہوں)۔

اموی حکومت کے بانی حضرت معاویہؓ اور رومی حکومت کے درمیان ایک میعادی معاہدہ تھا۔ حضرت معاویہؓ اپنی فوج لے کر دشمنوں کی سرحد سے قریب اس نیت سے پہنچ گئے کہ معاہدہ کی مدت پوری ہوتے ہی ان پر اچانک حملہ بول دیں گے۔ اس صورت میں اچانک حملہ کے مقابلہ میں دشمن تیار نہ ہوگا اور

یقینی طور پر شکست کھا جائے گا۔ ابھی حضرت معاویہ سرحد پر پہنچے ہی تھے کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار ظاہر ہوا اور زور زور سے کہنے لگا: اللہ اکبر، اللہ اکبر، وفاء لا غدر (اللہ اکبر، وعدہ کی پاس داری کرو، اسے توڑو نہیں)۔ لوگوں نے دیکھا کہ یہ صحابی رسول حضرت عمرو بن عنبسہ تھے۔ حضرت معاویہ نے انھیں اپنے خیمہ میں بلایا اور مطلب پوچھا، تو انھوں نے حدیث رسول بیان کی کہ جس کا کسی قوم سے معاہدہ ہو تو وہ اس کی کوئی گرہ باندھے اور نہ کوئی کھولے، یہاں تک کہ مدت پوری ہو جائے۔ حضرت معاویہؓ اس حدیث کو سن کر اپنے اقدام سے باز آ گئے اور اپنی فوجوں کو واپسی کا حکم دے دیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

احد کی لڑائی میں عین اس وقت جب کہ قتل وخون کا معرکہ گرم تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تلوار ہاتھ میں لی اور فرمایا کون اس تلوار کو اس کے حق کے ساتھ لے گا۔ حضرت ابو دجانہ سامنے آئے اور پوچھا: یا رسول اللہ! اس تلوار کا حق کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس سے دشمنوں کو مارو یہاں تک کہ اس کو ٹیڑھا کر دو۔ حضرت ابودجانہؓ نے کہا کہ میں اس کو اس کے حق کے ساتھ لیتا ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تلوار عنایت فرما دی۔ حضرت ابودجانہؓ اس تلوار کو لے کر اکڑتے ہوئے میدان میں کود پڑے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسی چال خدا کو پسند نہیں سوائے ایسے موقعوں کے۔ پھر کیا تھا وہ انتہائی بہادری کے ساتھ لڑنے لگے، جو بھی ان کے سامنے آتا وہ ان کی تلوار کا نشانہ بن جاتا۔ اسی درمیان اچانک کیا ہوتا ہے کہ ان کی نظر ایک شخص پر پڑتی ہے جو لوگوں کو جنگ پر ابھار رہا تھا۔ وہ اس کی طرف لپکے اور اپنی تلوار اس کے سر پر اٹھا لی، اتنے میں وہ چیخا یا ویلاہ۔ حضرت ابودجانہ کو محسوس ہوا کہ یہ کوئی عورت (ہند بن عتبہ زوجہ ابوسفیان) ہے۔ یہ ذہن میں آتے ہی انھوں نے تلوار ہٹا لی۔ جذبات پر قابو پانے اور انتہائی جذباتی حالات میں بھی نفسانی فیصلہ نہ کرنے کی یہ عمدہ ترین مثال ہے۔ (سیرت ابن ہشام، ۲/۶۸)

دنیا سے بیزاری اور آخرت سے محبت صحابہ میں اس قدر پیوست تھی کہ وہ دنیا کے مال واسباب کو اللہ کے راستے میں بے خطر لٹا دیا کرتے تھے اور یہ پورا پورا اثاثہ اللہ کے راستے میں دینا ان کے نزدیک معمولی چیز تھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جب قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں ارشاد ہوا ہے کہ جو شخص اللہ کو قرض حسن دے گا اللہ تعالی اس کے اجر کو بڑھا دیں گے۔ حضرت ابودحداح انصاریؓ نے عرض کیا: کیا اللہ واقعی ہم سے قرض چاہتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔ انھوں

نے کہا: یارسول اللہ! اپنا ہاتھ لائیے۔آپ نے ہاتھ دیا،تو انھوں نے عرض کیا : میں نے اپنا باغ اللہ کو قرض دیا۔ان کے باغ میں چھ سو کھجور کے درخت تھے۔پھر اپنے باغ میں آئے اور اپنی بیوی کو بتایا کہ میں نے اللہ کو اپنا باغ قرض دے دیا ہے۔ان کی بیوی نے کہا کہ آپ کی تجارت سودمند رہی۔چناں چہ انھوں نے اپنا سامان وہاں سے خالی کر دیا۔(تفسیر ابن کثیر)

جنگ یرموک میں حضرات صحابہ کا جذبۂ ایثار و ہمدردی کا ایک مشہور واقعہ ہے جس میں میدان جنگ میں جان بلب ایک صحابی کو پانی پیش کیا جاتا ہے، اتنے میں انھیں قریب سے کراہنے کی آواز آتی ہے، وہ انھیں پانی پیش کرنے کو کہتے ہیں۔ پانی پلانے والا ان کے پاس پہنچتا ہے کہ انھیں بھی کسی کے کراہنے کی آواز آتی ہے وہ بھی پہلے انھیں پانی پلانے کو کہتے ہیں۔جب پانی پلانے والا ان کے پاس پہنچتا ہے تب تک ان کی سانس بند ہو چکی ہوتی ہے اور جب لوٹ کر پچھلے صحابہ کے پاس پہنچتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان صاحب کی بھی روح قبض ہوگئی۔

حضرات صحابہ کی زندگی ایسے واقعات سے لبریز ہے،جس میں ہمیں نہایت اعلی درجہ کے اخلاقی نمونے ملیں گے۔اسلام نے اخلاقی تعلیمات کا ایسا جامع نظام عمل مرتب کیا اور صحابہ نے اس کو اپنی زندگی میں اس طرح نافذ کیا جس نے انسانی معاشرے میں اخلاقی قدروں میں انقلاب برپا کر دیا۔اسلام کی یہی اخلاقی تعلیمات بعد کے زمانے میں بھی اسلام کی اشاعت میں زبردست طور سے موثر ہوئیں۔ کتنے ہی ممالک اور علاقے ایسے ہیں جہاں کسی مسلم فوج کشی کی کوئی تاریخ نہیں مگر پورا کا پورا علاقہ اسلام کے نام لیواؤں سے بھرا ہوا ہے۔

آج دنیا میں سب سے بڑی مسلم آبادی والے ملک انڈونیشیا اور ملیشیا میں اسلام کے نام لیواؤں کا وجود، نیز یورپ، امریکہ و آسٹریلیا وغیرہ میں اسلام کی روز بروز ترقی دراصل اسلام کی انقلابی اخلاقی تعلیمات کا ہی کرشمہ ہے۔اسلام کے نظام اخلاق کی بدولت کتنے دلوں کی کایا پلٹی اور کتنے ہی علاقوں میں اسلام کا بول بالا ہوا، بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ اسلام کی اشاعت میں جو چند ظاہری اسباب ہیں ان میں اسلام کا نظام اخلاق ایک اہم حیثیت رکھتا ہے۔

علمی تحقیق — **دوسری قسط**

کیا قرآنِ کریم میں سائنس کی تعلیم بھی ہے؟

مولانا محمد معاویہ سعدی
استاذ شعبۂ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ فرماتے ہیں: قرآن کے بنیادی علوم پانچ ہیں:

۱— اَحکام ومسائل، خواہ وہ عبادات ومعاملات کی قبیل سے ہوں، خواہ معاشرت اور سیاست سے متعلق ہوں، اور یہ سب فقہ اور فقہاء کا موضوع ہیں۔

۲— جدل ومناظرہ، چاہے وہ مشرکین سے ہو، چاہے اہلِ کتاب سے، اور چاہے اسلام کی طرف منسوب فرقِ باطلہ سے، اور یہ سب علمِ کلام اور متکلمین کا موضوع ہیں۔

۳— تذکیر بآلاء اللہ، یعنی کائنات میں جو کچھ اللہ نے بندوں کے نفع کے لیے پیدا کیا ہے اُس میں غور وفکر کر کے اُس سے تشکر وامتنان کا اظہار کرنا۔

۴— تذکیر بأیام اللہ، یعنی گذشتہ اُمتوں کے ساتھ اللہ نے انعام واکرام، یا عقاب وعذاب کے جو معاملات فرمائے ہیں اُن میں غور کر کے اُن سے عبرت ونصیحت حاصل کرنا۔

۵— تذکیر بالموت ومابعد الموت، یعنی قبر، حشر، نشر اور دیگر اُمورِ آخرت کا اور وہاں پیش آنے والے جزا وسزا کے مراحل کا تصور کر کے، اُن سے تذکر وموعظت حاصل کرنا۔ اور یہ تینوں ہی علوم تصوف وصوفیاء کے موضوعات ہیں۔ (الفوز الکبیر فی أصول التفسیر ص: ۲۹)۔

قرآن میں وارد ”تِبیَاناً لِّکُلِّ شَيْءٍ“ اور حدیث میں وارِد ”لاتنقضي عجائبه“ کا مطلب؟

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ حضراتِ مفسرین تو قرآنی علوم کو محدود ومحصور فرما رہے ہیں، جب کہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کے بارے میں فرمایا ہے: ”وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَاناً لِّكُلِّ شَيْءٍ“ (اور ہم نے آپ پر اِس کتاب کو اتارا ہر چیز کا بیان بنا کر)۔

اور حدیث شریف میں اِس کی صفت وارِد ہوئی ہے: ”لاتنقضي عجائبه“ (اس کے عجائبات کی

کوئی انتہا نہیں)۔تو اِس کا کیا جواب ہوگا؟

اِس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو یہاں قرآن کے دو پہلو ہیں: ایک تو ہے قرآنی مقاصد اور موضوعات۔ دوسرے قرآن میں وارِد مضامین اور حقائق۔تو جب قرآن کے موضوع اور مقصد پر گفتگو کی جائے گی تو وہ تو وہی ہے جس کا بیان پہلے تفصیل سے گذر چکا، یعنی اِثباتِ توحید و اِثبات معاد و اصلاحِ ظاہر و باطن۔ہاں جب قرآنی اعجاز اور وسعت وجامعیت پر گفتگو کی جائے تو اس کے ضمن میں قرآنی تعبیرات اور نکات ولطائف کا میدان کافی وسیع ہے۔

اِسی لیے علماء نے فرمایا ہے کہ یہ جو قرآن کی تفسیر کے تحت صوفیائے کرام نِکات ولطائف بیان فرماتے ہیں یہ قرآن کی تفسیر نہیں ہوتی ، بلکہ ان کو قرآن کی تفسیر کے طور پر بیان کرنا جائز بھی نہیں ہے، بلکہ یہ وہ معانی اور حقائق ہوتے ہیں جو تلاوتِ قرآن کے وقت کسی لفظ یا معنی کی مناسبت سے اُن پر الگ سے منکشف ہوتے ہیں، لہٰذا اُن کو اسی درجہ میں رکھنا چاہیے (البرہان ۲/ ۱۷۰)۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

> ... اور صوفیہ کی تاویل اس سے مستثنیٰ ہے، کیونکہ وہ ان معانی کے مدلولِ نص ہونے کے مدّعی نہیں، بلکہ اصل مدلولات کو قبول کرکے، ان مدلولات کے مشابہ کو بطور اِعتبار کے ظاہر کرتے ہیں۔
> (حکیم الامت : نقوش وتاثرات، ص ۱۰۶)۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ یہ اَمر تو مسلمات میں سے ہے کہ کسی بھی دعوی اور دلیل کا تعلق اُسی فن اور موضوع سے ہوتا ہے جس فن اور جس موضوع سے متعلق گفتگو پہلے سے چل رہی ہو،تو جب قرآن وحدیث میں قرآن کے مقاصد اور موضوعات متعین فرما دیئے گے تو ظاہر سی بات ہے کہ قرآن کے ہر دعوی اور ہر دلیل کو اُسی خاص تناظر میں دیکھنا ضروری ہوگا، یہ نہیں کہ بات چل رہی ہے روحانی علاج کی، اور اُس کو منطبق کرنے کی کوشش کی جائے جسمانی علاج پر، بات چل رہی ہو مغیبات پر اِیمان کے مطالبے کی، اور اس کو منطبق کیا جائے تجربات ومشاہدات سے ثابت شدہ چیزوں کے اِثبات پر، بات چل رہی ہو اُنفُس وآفاق میں غور وفکر کرکے تذکر ونصیحت حاصل کرنے، اور اس کے نتیجے میں دعوتِ توحید قبول کرنے کی، اور موضوع بدل کر اُس کو پہنچا دیا جائے کائناتی علوم وفنون کی مادی تحقیق وجستجو کی طرف۔

امام فخر الدین رازیؒ: اللہ تعالیٰ کے قول ’’وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ‘‘ کی تفسیر میں فرماتے ہیں :

قرآن ہر چیز کو بیان کرنے والا ہے؛ اِس طور پر کہ علوم یا تو دینی ہوں گے، یا غیر دینی، غیر دینی علوم یہاں مراد نہیں ہو سکتے، اِس لیے کہ قرآن کی تعریف اور توصیف اِسی میں ہے کہ اُس میں (بطورِ مقصود) صرف دینی علوم ہوں، غیر دینی علوم نہ ہوں، بہر حال علومِ دین تو وہ یا تو اُصول (وعقائد سے متعلق) ہوں گے، یا فروع (واَحکام سے متعلق)، پس اُصول تو سب کے سب قرآن میں موجود ہیں، اور فروع میں سب سے اہم قاعدہ یہ ہے کہ ہر فرد دوسرے سے فارغ اور سبک دوش رہے، سوائے اُن حقوق کے جو اللہ نے ایک دوسرے سے متعلق فرمائے ہیں، تو جتنے حقوق ایک کے دوسرے پر ہوتے ہیں وہ بنیادی طور پر قرآن میں پائے جاتے ہیں، اِس لحاظ سے یہ تمام علومِ دین کا بیان ہو گیا! (تفسیر کبیر ۲۰/ ۲۵۸)۔

امام ابوبکر جصاص رازیؒ فرماتے ہیں :

دین کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جس کی اصل قرآن میں نہ موجود ہو، خواہ صراحتاً، خواہ دلالۃً یا اشارۃً ، اِس لیے کہ بعض مسائل تو وہ ہیں جن سے قرآن نے براہِ راست تعرض کیا ہے، اور بعض مسائل وہ ہیں جو سنتِ رسول اللہ سے، یا اِجماع سے، یا قیاس سے ثابت ہیں، اور اِن تینوں ہی کی حجیت اور دلیلِ شرعی ہونا قرآن سے ثابت ہے، اِس طرح سے اِن دلائلِ شرعیہ سے ثابت شدہ مسائل بھی درحقیقت قرآن ہی سے ثابت شدہ مسائل ہوئے۔ (احکام القرآن ۳/ ۲۴۶)۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں :

بعض لوگ دعوی کیا کرتے ہیں کہ قرآن میں تمام علوم ہیں، حتی کہ تحقیقاتِ جدیدہ اور صنائع وغیرہ کے اُصول بھی، اور {تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ} سے استدلال کرتے ہیں۔ یہ صحیح نہیں، قرآن جس غرض اور غایت کے لیے نازل ہوا ہے یعنی ہدایت واصلاحِ معاد؛ اُس کے مسائل اِس میں سب ہیں، تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ سے مراد یہ ہے، کہ تبیاناً لکل شيء من مهمات الدين (دین کے تمام اہم اُصول اور مسائل کو واضح کرنے والی کتاب)، چنانچہ جابجا ''ھدی'' و''رحمۃ'' و''نور'' وغیرہ فرمایا گیا ہے، یہ اس کا صاف قرینہ ہے'' اھ۔

احقر عرض کرتا ہے کہ خود اِس آیت کا آگے کا سیاق بھی اِسی مضمون کو واضح کرتا ہے، چنانچہ پوری آیت اِس طرح ہے: وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَاناً لِكُلِّ شَيْءٍ وهُدًى ورَحمةً وبُشرَى للمُسلِمِينَ [النحل ۸۹]، (اور ہم نے آپ پر کتاب نازل کی ہے ہر چیز کا بیان بنا کر، اور لوگوں کی ہدایت کا سامان بنا کر، اور موجبِ رحمت وبشارت بنا کر فرمانبرداروں کے لیے)۔

ظاہر ہے کہ اِس کا رحمت اور بشارت ہونا صرف مسلمانوں ہی کے لیے ہے، جب کہ سائنس اور کائناتی علوم تو سب ہی کے لیے ہوتے ہیں، تو معلوم ہوا کہ یہاں ''کل شی ء'' سے وہ مراد ہی نہیں ہیں، بلکہ

صرف وہ علوم مراد ہیں جن کی خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری کے لیے ضرورت پڑتی ہے۔

اور رہی بات حدیث ''لا تنقضي عجائبه'' کی، تو مذکورہ بالا تفصیلات کی روشنی میں اُس کا مطلب بھی بالکل واضح ہے کہ یہاں ''عجائبات'' سے مراد وہی نوع بنوع مضامین اور لطائف وحقائق ہیں جو قرآنی مقاصد اور موضوعات کے دائرے میں ہوں، اور جن طبیعی علوم کا اس میں تذکرہ آیا ہے، یا جن کائناتی عجائبات کی دریافت کا اُس سے سرا ملتا ہے تو وہ اس کے اِضافی محاسن میں سے ہے، مقصود کے طور پر نہیں۔

چنانچہ ہر زمانے کے علماء قرآن کے بنیادی موضوع اور مقصد کو ذہن میں رکھتے ہوئے اپنے اپنے طور پر ایسے اضافی عجائبات اور اِعجازات کا ذکر فرماتے رہے ہیں، علامہ سیوطیؒ قرآن کی جامعیت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قرآن میں آسمانوں اور زمین کے عجائبات، ثریا سے اوپر اور ثریٰ کے نیچے تک کی معلومات، ابتدائے آفرینش کی اطلاعات، مشہور پیغمبروں کے حالات، فرشتوں کے تذکرے، گذشتہ امتوں کے واقعات، انبیاء خصوصاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور غزوات، انسانی پیدائش اور نشو ونما کے مختلف مراحل، پھر موت اور بعد الموت کے احوال، قیامت اور اس کی بعض نشانیاں، آخرت اور اس کے اہم حقائق، جنت اور اس کی نعمتیں، دوزخ اور اس کی سختیاں، توحید اور اس کے دلائل، نیز اِیمان کے ستر سے زائد شعبے، اسلام کی تین سو سے زائد شاخیں، صغیرہ وکبیرہ گناہوں کا تذکرہ...... وغیرہ ایسے اُمور ہیں جن کی مزید تفصیل کے لیے کئی جلدوں کی کتاب درکار ہوگی'' (الاتقان ۴/۳۸)۔

پھر علامہ سیوطیؒ نے ایک مستقل فصل قائم کی ہے، جس کا عنوان ہی ہے: ''قرآن سے مستنبط علوم وفنون''، جس کے تحت پہلے تو قرآن کی جامعیت اور شمولیت کے سلسلے میں متقدمین علماء کے مختلف اقوال نقل فرمائے ہیں، پھر آخر میں محمد بن الفضل المرسیؒ (ت ۶۵۵ھ) کے حوالے سے ایک طویل مضمون درج فرمایا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

علمائے اِسلام نے جملہ علوم کی اَنواع واَقسام سب قرآنِ حکیم سے ہی اَخذ کی ہیں، ابتدا میں تو علماء میں کمال وجامعیت ہوتی تھی، تو ایک ہی شخص تمام علوم وفنون کا جامع ہوا کرتا تھا، پھر جب انحطاط کا دور شروع ہوا تو علوم وفنون کی تقسیم ہوتی گئی، اور ہر ہر علم وفن کے لیے الگ الگ افراد اور جماعتیں مخصوص ہوتی گئیں، مثلاً ایک جماعت نے قرآن کے لغات وکلمات کے ضبط وتحریر کا فریضہ اپنے ذمہ لے لیا، اور اُس نے مخارجِ حروف کی معرفت، کلمات کا شمار، سورتوں اور منزلوں کی گنتی، سجدات وعلاماتِ آیات کی تعداد وتعیین، حصرِ کلمات، متشابہ ومتماثل آیات کا اِحصاء وغیرہ پہلوؤں پر کام کیا، تو اُن کا نام ''قرّاء'' رکھا گیا (اِس طرح ''علم القراۃ والتجوید'' منصہ شہود پر آیا)۔

بعض نے قرآن کے معرب ومبنی، اَسماء واَفعال، حروفِ عاملہ وغیر عاملہ، اسماء وتوابع، رسم الخط وغیرہ کی طرف توجہ کی تو وہ ''نحاۃ'' کہلائے (اوران کے ذریعے ''علم النحو'' معرضِ وجود میں آیا)۔

بعض نے اَلفاظِ قرآن، اُن کی دلالت واِقتضاء، پھر اُن کی تاویل وتشریح، اور اُن کے مطابق ہر حکم کی تفصیلات کو اپنا موضوع بنایا تو یہ ''مفسرین'' کہلائے (اوران کے ذریعے ''علم التفسیر'' وجود میں آیا۔

اِسی طرح سے محمد بن الفضل مرسیؒ نے علمِ کلام، فقہ، اُصول فقہ، تصوف، معانی، بیان، بدیع، تعبیر الروٴیا، وعظ وخطابت، تاریخ وقصص، معاملات، سیاست، دفاعی اُمور، اِن کے علاوہ طب، جدل ومناظرہ، ریاضی، ہیئت، ہَندَسہ، جبر، مقابلہ، فلکیات، اور صنعت وحرفت کی مختلف شکلوں کا قرآن سے ربط واستنباط دکھلایا ہے، اور آخر میں فرمایا کہ درحقیقت کائنات میں جو کچھ موجود ہے، یا آئندہ ہوگا وہ سب کا سب بھی قرآن سے مستنبط ہوسکتا ہے (الاتقان ۴؍۳۰-۳۶)۔

ایک موقع پر حضرت تھانویؒ نے ''قرآنِ کریم کے اِرشاد: أَلَمْ نَجْعَلْ لَهُ عَيْنَيْنِ، وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ (البلد ۸-۹) (کیا ہم نے اس کو دو آنکھیں اور زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے) کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ :

... دوسرا نکتہ یہ ہوسکتا ہے کہ یہ اِشارہ ہوا ایک مسئلۂ طبیعیہ کی طرف کہ وہ دو ہیں، مگر بمنزلہ ایک کے، کیوں کہ دونوں آنکھیں ایک وقت میں ایک ہی چیز کو دیکھ سکتی ہیں، ایسے ہی شفتین، کہ دونوں سے ایک ہی کلام ہوسکتا ہے، یہ نہیں کہ ایک آنکھ سے ایک چیز کو دیکھ لیں، اور دوسری سے دوسری کو، ایک ہونٹ سے ایک بات کرتے رہیں، اور دوسرے سے دوسری بات کرنے لگیں۔

قرآن شریف کی یہ شان ہے :

بہارِ عالمِ حسنش دل و جاں تازہ می دارد
برنگ اَصحابِ صورت را ، ببوٗ اَربابِ معنیٰ را

اس کے عالمِ حسن کی بہار؛ ظاہر پرستوں کے دل وجاں کو رنگ وروپ سے، اور حقیقت پرستوں کے دل وجاں کو اپنی خوشبو سے تروتازہ رکھتی ہے

پھر آخر میں حضرتؒ نے فرمایا :

اور کوئی یہ نہ کہے کہ تم تو قرآن شریف میں حکمتِ طبیعیہ کے مسائل نکالنے سے منع کیا کرتے ہو! بات یہ ہے کہ قرآن شریف میں حکمت کے مسائل مقصود نہیں، باقی کہیں نکل آویں تو اِس سے مجھ کو اِنکار نہیں، البتہ ''الضرورۃ یتقدر بقدر الضرورۃ'' ضرورتاً اِختیار کی جانے والی چیز بقدرِ ضرورت ہی اِختیار کی جاتی ہے'' کے قاعدے کا لحاظ ضروری امر ہے... الخ''

(اشرف الجواب ج ۴ ص ۲۹۹-۳۰۰)۔ باقی آئندہ

سنگِ میل

بہترین انسان

مولانا عبید اللہ خالد
مدیر ماہنامہ الفاروق کراچی

دین اسلام نے جس طرح ظاہری اعمال حسنہ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور معاصی و منکرات سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے، اسی طرح باطنی اعمال یعنی اخلاق حسنہ اور فضائل کو اختیار کرنے اور رذائل سے بچنے کی تلقین بھی فرمائی ہے۔اسلام اعلیٰ انسانی قدروں اور حسن کردار کی نہ صرف حمایت کرتا ہے، بلکہ اس کی ترغیب اور حکم دیتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ایک روایت میں ہے کہ (ایک دن) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کون بہتر آدمی ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ہر وہ شخص جو دل اور زبان کا سچا ہو۔“ (یہ سن کر) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ زبان کے سچے کو تو ہم جانتے ہیں کہ زبان کا سچا اس شخص کو کہتے ہیں جو کبھی جھوٹ نہ بولے لیکن ”دل کا سچا“ سے کیا مراد ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :اس سے مراد وہ شخص ہے جس کا دل پاک وصاف ہو، پرہیز گار ہو، اس میں کوئی گناہ نہ ہو، اس نے کوئی ظلم نہ کیا ہو، حد سے تجاوز نہ کیا ہو اور اس میں کدورت و کینہ اور حسد کا مادہ نہ ہو۔ (سنن ابن ماجہ، سنن بیہقی)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ایک اور روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (لوگو!) چار چیزیں ایسی ہیں کہ اگر تم میں پائی جائیں تو دنیا کے فوت ہونے نہ ہونے کا تمہیں کوئی غم نہیں ہونا چاہیے، ایک تو امانت کی حفاظت کرنا (یعنی حقوق کی حفاظت و ادائیگی کرنا، خواہ ان حقوق کا تعلق پروردگار سے ہو، یا بندوں سے اور یا اپنے نفس سے) دوسری سچی بات کہنا، تیسری اخلاق کا اچھا ہونا اور چوتھی کھانے میں احتیاط و پرہیز گاری اختیار کرنا (یعنی حرام و ناجائز کھانے سے پرہیز کرنا اور زیادہ کھانے سے اجتناب کر کے بقدر حاجت و ضرورت پر اکتفا کرنا)۔ (مسند احمد، سنن بیہقی)

حضرت لقمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ علم وحکمت، عقل و دانش اور دانائی سے نوازا تھا۔ ان کے پیغمبر ہونے میں اگرچہ علمائے اسلام کا اختلاف ہے، لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ ایک عظیم انسان، دانش ور، حکیم، اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے اور ولی تھے۔ ان کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے تقریباً ایک ہزار پیغمبروں کی صحبت اختیار کی تھی اور ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا تھا، ان کے علم و دانش اور حکمت و دانائی کا غالباً بڑا راز یہی ہے کہ انہوں نے اتنے زیادہ پیغمبروں سے کسب فیض کیا اور ان کی صحبت اختیار فرمائی، اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا مقرب اور مقبول بندہ بنایا، یہاں تک کہ حکمت و دانائی سے لبریز ان کے فرمودات کو قرآن مجید کا حصہ بنایا۔

حضرت لقمان علیہ السلام سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ جس مرتبہ یعنی فضیلت کے جس مقام پر ہم آپ کو دیکھ رہے ہیں اس تک آپ کو کس نے پہنچایا؟ حضرت لقمان علیہ السلام نے فرمایا: ''سچ بولنے نے (کہ میں نے سچائی کا دامن کبھی نہیں چھوڑا، خواہ میں نے خود کوئی بات کی ہو یا کسی کی کوئی بات نقل کی ہو، ہمیشہ سچ بولنے پر عامل رہا) ادائیگی امانت نے (یعنی خواہ کوئی مالی معاملہ ہو یا فعلی، میں نے ہمیشہ دیانت داری کو ملحوظ رکھا ہے) اور جو چیزیں میرے لیے بے فائدہ اور غیر ضروری ہیں ان کو ترک کر دینے سے'' (مؤطا امام مالک)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت لقمان علیہ السلام کے حکمت و دانائی اور عقل و دانش کے اعلیٰ مقام اور عظیم مرتبے پر فائز ہونے کا سبب ان کی راست گوئی اور نیک کرداری ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی با کردار اور نیک سیرت بنائے، اوصاف حمیدہ اور خصال حسنہ سے مزین فرمائے، معاصی، منکرات، سیئات، بے فائدہ اور لایعنی امور سے اجتناب کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ وما توفيقي إلا بالله، عليه توكلت وإليه أنيب

ماھنامہ مظاھر علوم سھارنپور: تبلیغِ دین، اشاعتِ اسلام اور اصلاحِ معاشرہ کی ایک عظیم تحریک ہے، لہٰذا خود بھی اس کے ممبر بنیں اور دوسروں کو بھی ممبر بنا کر اس تحریک سے جوڑیں۔

دعوت فکر

مسلم پرسنل لا میں مداخلت

مسلمانوں کے لئے لائحۂ عمل

عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

کچھ دنوں سے میڈیا میں ”مسلم پرسنل لا“ اور ”یکساں سول کوڈ“ کی جو اصطلاحیں پڑھنے سننے میں آرہی ہیں، ہوسکتا ہے کہ بہت سے لوگ ان کے پورے مفہوم سے واقف نہ ہوں، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان کا ضروری تعارف کرا دیا جائے، ملک کے دستور سے تھوڑی بہت واقفیت رکھنے والے بھی جانتے ہیں کہ ملک میں رائج قوانین کی دو اہم قسمیں؛ ”سول کوڈ“ اور ”کریمنل کوڈ“ کہلاتی ہیں، دوسری قسم کے اندر جرائم کی سزائیں اور بعض انتظامی امور آتے ہیں، ظاہر ہے کہ اس قسم کے قوانین تمام اہلِ ملک کے لیے یکساں ہیں، اس میں کسی نوعیت کی تفریق نسل اور مذہب کی بنیاد پر از روئے دستور نہیں کی گئی ہے، پہلی قسم کے دائرے میں وہ قوانین آتے ہیں جن کا تعلق معاشرتی، تمدنی اور معاملاتی مسائل سے ہے، اس قسم کے بیش تر قوانین بھی تمام اہلِ ملک کے لیے یکساں ہیں، البتہ اس قسم کے ایک حصے میں (جسے پرسنل لا کہتے ہیں) ملک کی بعض اقلیتوں کو جن میں مسلمان بھی ہیں، ان کے مذاہب کے لحاظ سے کچھ خصوصی شعبوں میں الگ مذہبی قوانین پر عمل کرنے کا اختیار دیا گیا ہے اسی کو پرسنل لا کی آزادی کا نام دیا جاتا ہے، اسی کے تحت مسلمانوں کو بھی شریعت اپلیکیشن ایکٹ میں حق دیا گیا ہے کہ نکاح، طلاق، ایلاء، ظہار، لعان، خلع، فسخِ نکاح، عدت، نفقہ، وراثت، وصیت ہبہ، ولایت، رضاعت، حضانت، اور وقف سے متعلق مقدمات اگر سرکاری عدالت میں دائر کیے جائیں اور دونوں فریق مسلمان ہوں تو سرکاری عدالتیں اسلامی شریعت کے مطابق ہی مذکورہ معاملات میں فیصلہ کریں گی، ان ہی قوانین کا مجموعہ ”مسلم پرسنل لا“ کہلاتا ہے، مسلم پرسنل لا جن احکام سے عبارت ہے، وہ بھی دیگر شرعی قانون کی طرح کتاب و سنت سے ماخوذ ہیں، اگر خدانخواستہ مسلم پرسنل لا ختم کر کے یکساں سول کوڈ نافذ کیا جاتا ہے تو قرآن مجید کی

بہت سی آیتوں اور سیکڑوں احادیث پر عمل سے مسلمانوں کو جبراً محروم ہونا پڑے گا۔

(ملخصاً مجموعہ قوانین اسلامی ص ۲۸-۲۹)

ہمارے ملک ہندوستان کو آزاد ہوئے پچہتر سال سے زائد ہورہے ہیں، اس طویل عرصہ میں ہندوستانی مسلمان ہمیشہ حکومت کی طرف سے کسی نہ کسی الجھن اور پریشانی کا شکار رہا ہے اس وقت ایک نئ آفت اور مصیبت مسلمانوں کے مذہبی معاملات میں حکومت ہند کی طرف سے دخل اندازی کا ہے، جبکہ ہندوستانی قانون اور آئین کی رو سے یہاں بسنے والے تمام ہندوستانیوں کو اپنے مذہبی امور اور معاملات اپنے اپنے مذہب اور ریت رواج کے مطابق ادا کرنے کا دستوری حق ہے۔

کہا یہ جارہا ہے کہ ہندوستان میں طلاق ثلاثہ کو لے کر مسلم عورتوں پر بہت ظلم ہورہا ہے، مظلوم عورتوں نے جب اپنی فریاد سپریم کورٹ تک پہونچائی اور سپریم کورٹ نے جب حکومت سے سوال کیا کہ وہ ان عورتوں پر ہورہے ظلم کے مداوے کے لیے کیا کررہا ہے تو حکومت نے ان عورتوں کی تائید میں سپریم کورٹ میں حلف نامہ داخل کردیا کہ وہ ایسا کوئی قانون بنائے گی جس کے ذریعے نہ صرف مسلمان بلکہ ملک کے تمام طبقات کی عورتوں پر مظالم نہ ہوں، لاکمیشن نے مسلمانوں سے رائے طلب کرنے کے لیے سوال نامہ جاری کیا کہ وہ اپنی رائے دیں جس پر مسلم پرسنل لابورڈ نے ایک آواز میں یہ کہہ کر لاکمیشن کے سوال نامے کا بائیکاٹ کردیا کہ ہم حکومت کے حلف نامے اور لاکمیشن کے سوال نامے کو شریعت میں مداخلت تصور کرتے ہیں اور اسے اس سازش کا پیش خیمہ کہتے ہیں جس کے ذریعے حکومت مسلمانوں پر یکساں سول کوڈ لانے کی کوشش کررہی ہے، ہرٹی وی چینل اور اخبار والے طلاق ثلاثہ کی تائید اور مخالفت میں کچھ بولنے والوں کو مدعو کررہے ہیں کہ بولو آپ کیا کہتے ہیں اس بات پر کہ تین طلاق دے کر عورتوں کو جس طرح مسلم طبقے میں ظلم سے دوچار کیا جارہا ہے یہ درست ہے یا غلط؟ سوال کرنے والے پروگرام اینکرز میں سے اکثریت اس بات سے واقف نہیں ہے کہ اسلام میں طلاق ثلاثہ کی حقیقت کیا ہے، تین طہر میں طلاق کیا ہے اور طلاق کے بعد اگر حلالہ کے ذریعے سابقہ بیوی سے نکاح کی صورت نکالی جائے تو اس کے امکانات اور شرائط کیا کیا ہیں، بس سیدھے سوال کیا جارہا ہے اور تائید میں کہا جارہا ہے کہ پاکستان، ایران، بنگلہ دیش اور دیگر ممالک میں طلاق ثلاثہ کو غلط قرار دیا جارہا ہے تو ہندوستان کے علماء کیوں اس کی تائید نہیں کرتے ہیں، میڈیا جو کل تک پاکستان کو ہندوستان کا نمبر ایک دشمن کہہ رہا تھا آج وہ مثال دے

رہا ہے کہ پاکستان اسلامی جمہوریہ ہے اور ہندوستانی مسلمانوں کو اس کی تقلید کرنی چاہئے جب کہ ہندوستانی علماء نے کہہ دیا ہے کہ ہماری شریعت قرآن اور حدیث سے ثابت ہے اور ہمیں اپنی شریعت پر عمل پیرا ہونے کے لیے کسی ملک کی مثال لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

ایک سروے کے مطابق ہندوستان میں طلاق سے متأثر عورتوں کا اوسط صفر اعشاریہ پانچ فیصد ہے جبکہ غیر مسلموں کے یہاں شادی کے بعد عورتوں کو الگ کر دیئے جانے کی شرح تین اعشاریہ سات فیصد ہے، موجودہ حکومت کو جہاں مسلمانوں کے کسی معاملے سے دلچسپی نہیں ہے وہ اچانک مسلم عورتوں کی اس قدر ہمدرد کیسے بن گئی ہے کہیں یہ الیکشن سے قبل مسلمانوں کو اپنی جانب متوجہ کرنے کی ایک چال تو نہیں یا یکساں سیول کوڈ کے نفاذ کی طرف ایک قدم تو نہیں، حالانکہ اس سارے معاملے کے بعد جو تصویر سامنے آتی ہے وہ مسلم طبقے کے لیے کچھ اچھی نہیں ہے۔

مسلمانوں کے تعدد ازدواج معاملے کو بھی لایا گیا کہ مسلمان مرد زیادہ شادیاں کر کے عورتوں پر ظلم کر رہے ہیں تو واضح کیا جائے کہ تعدد ازدواج کی اکثر مثالیں عورت کو تحفظ دینے کے لیے ہیں نہ کہ نفسانی خواہشات کی تکمیل یا پہلی عورت پر ظلم کرنے کے لیے، اس بات کو عام کیا جائے کہ اسلام دین فطرت ہے جہاں اس نے شادی بیاہ اور زندگی کے تمام امور میں آسانی رکھی ہے وہیں اس نے میاں بیوی میں علاحدگی کی ناپسندیدہ صورت میں بھی طلاق کا احسن طریقہ طویل وقفہ والا رکھا ہے۔

میڈیا کے اس یک طرفہ حملے کے جواب کے طور پر علماء اور مسلم دانشوروں کو متحد ہونا ہوگا، مسلمانوں کے اندر علمی بیداری پیدا کی جائے، موجودہ صورتحال میں مسلم دانشور طبقے کو کئی طرف سے جاگنے کی ضرورت ہے، مسلمانوں کا سنجیدہ طبقہ جو انگریزی میں لکھ سکتا ہے اور بول سکتا ہے وہ اس پہلو کو اپنی تحریروں سے واضح کرے، علماء کرام اسلام کے نظام طلاق کو بہتر سے بہتر انداز میں پیش کریں، حکومت سے اپنے اختیارات کا مطالبہ کریں، جو لوگ قانون جانتے ہیں وہ حکومت اور سپریم کورٹ تک اپنی آواز پہونچائیں کہ جب دستور ہند مسلمانوں کو اپنے مذہب پر چلنے کی مکمل آزادی دیتا ہے تو مسلمانوں کو شادی بیاہ اور طلاق جیسے معاملے میں حکومت یا سپریم کورٹ کی ہدایت کی کیوں ضرورت ہے، سیاسی سطح پر حکومت کے خلاف جوشیلے بیانات دینے کے بجائے حکومت سے پوچھا جائے کہ مسلم عورتوں کے مظالم پر مگر مچھ کے آنسو

بہانے والی حکومت مسلمانوں کی تعلیمی اور معاشی پسماندگی کو دور کرنے کے لیے کیا کررہی ہے؟

ان جیسے مسائل کے پیچھے جہاں حکومت کی بدنیتی کارفرما ہے وہیں دین سے دوری اور دینی علوم اور شرعی قوانین سے ہماری ناواقفیت سے بھی یہ تمام باتیں سامنے آرہی ہیں، اس لیے اس وقت حالات کا تقاضا ہے کہ دعوت دین اور لوگوں میں شریعت کی پابندی کے لیے ایمانی محنت کو عام کیا جائے ،موجودہ حالات مسلمانان ہند کے لیے ایک طرف امتحان ہیں تو دوسری طرف ایک موقع ہیں کہ وہ اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرلیں، دین کی دعوت کو عام کریں، مسلکی اختلافات سے بالاتر ہوکر متحد ہوجائیں اور فطری زندگی کے سکون کے لیے تڑپ رہی انسانیت کے سامنے ایسی تصویر پیش کریں کہ ہر دل میں یہ بات راسخ ہوجائے کہ نہ صرف شادی بیاہ اور طلاق بلکہ زندگی کے ہر معاملے میں اسلامی تعلیمات ہی سب کے لیے سکون کا باعث ہیں۔

دینی و تعلیمی کام ہر عالم دین کی ذمہ داری

علم وصلاحیت رکھنے کے باوجود محض ادھر ادھر کے کاموں میں مصروف ومشغول رہنے اور صرف دنیا کمانے کی فکر میں رہنے پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحبؒ نے فرمایا:

”میں اس کو ناجائز وحرام نہیں کہتا لیکن اللہ نے جس کو صلاحیت دی ہے جو دین کا کچھ کام کرسکتا ہے اس کو تو یہی کام کرنا چاہیئے، یہ تو نعمت کی بڑی ناقدری ہے کہ علم دین کو صرف دنیا کمانے کے لیے استعمال کیا جائے قیامت میں اللہ تعالیٰ تم سے سوال کرے گا کہ ہم نے تم کو علم دین کی نعمت دی تھی تم نے اس سے کیا کام لیا؟ تو کیا یہ جواب دو گے کہ میں نے پچاس ہزار روپئے کمائے۔ جواب نہ بھی دو، تمہارے نامہ اعمال میں تو لکھا جائے گا کہ اس نے علم دین کے ذریعہ روپئے کمائے، کیا تم کو پسند ہے۔!

قرآن کریم میں مذکور تاریخی واقعات

مفتی عبداللہ سہارنپوری

قرآن کریم اس جہاں میں وہ نعمت ہے کہ سارا جہاں، آسمان وزمین اور اس میں پیدا ہونے والی مخلوقات اس کا بدل نہیں بن سکتی۔ انسان کی سب سے بڑی سعادت اور خوش نصیبی اس کا اپنی استطاعت کے بقدر قرآن کریم میں مشغول رہنا، اور اس کو حاصل کرتے رہنا ہے، اور سب سے بڑی شقاوت اور بدنصیبی اس سے اعراض کرنا اور اسے چھوڑ دینا ہے؛ اس لیے ہر مسلمان کو اتنی فکر کرنا تو فرضِ عین اور ضروری ہے، کہ قرآن کریم کو صحتِ لفظی کے ساتھ خود بھی پڑھے اور اولاد کو بھی پڑھانے کی کوشش کرے، اور پھر جس قدر ممکن ہو اس کے معانی اور احکام کو بھی سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی فکر میں لگا رہے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے انسانی ہدایت کے لیے جو مختلف معجزانہ اسالیب اختیار فرمائے ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ گزشتہ قوموں کے قصص وواقعات کے ذریعے ان کے نیک اور بداعمال، اور ان اعمال کے ثمرات و نتائج کو یاد دلایا ہے، اور آنے والی نسلوں کے لیے عبرت و بصیرت کا سامان مہیا فرمایا ہے، علماء نے اس موضوع پر مستقل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، جن میں دار العلوم دیوبند کے مشہور فاضل حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کے تلمیذِ رشید ومعتمدِ خاص، اور جمعیت علمائے ہند کے ناظمِ عمومی حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی رحمہ اللہ کی معروف تصنیف ”قصص القرآن“ سب سے ممتاز اور فائق ہے، جس میں متعلقہ آیات کے ترجمہ، تشریح وتوضیح، تاریخی ترتیب وربط، اور ان سے برآمد ہونے والے نتائج کے پہلو بہ پہلو، تاریخ، جغرافیہ، مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات، اور تفسیری، حدیثی، تاریخی اشکالات پر بھی مفصل ومدلل گفتگو کی گئی ہے۔ فجزاہ اللہ عنا۔

کم وبیش دو ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی چار جلدوں پر مشتمل اس کتاب کو باری تعالیٰ نے عوام وخواص میں بڑی شہرت ومقبولیت بخشی، لیکن اس ضخیم کتاب کے بالاستیعاب مطالعے اور اس سے استفادہ کے لیے وقت کا ایک وافر حصہ درکار ہے، جو موجودہ زمانے کے اعتبار سے نہایت مشکل امر ہے؛ اس لیے استاذ

گرامی حضرت مولانا محمد معاویہ صاحب مد ظلہ العالی (استاذ شعبہ تخصص فی الحدیث، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور) کے مشورے سے آپ ہی کی زیرِ نگرانی بطورِ خاص اس کتاب کو سامنے رکھ کر، مزید دیگر مصادر ومراجع کی روشنی میں قرآن میں مذکور قصص وواقعات کو ان کے علمی، تحقیقی، اور کلامی پہلوؤں سے صرف نظر کرتے ہوئے مختصر اور عام فہم انداز میں قسط وار سلسلۂ مضامین قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعی کی جارہی ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ سلسلہ مقبولِ بارگاہ ہو، اور بسہولت وعافیت نیک انجام کو پہنچے۔

قرآن میں واقعات بیان کرنے کا مقصد

قرآن میں موعظت وعبرت کے لیے تاریخی واقعات، سابقہ امتوں کا تذکرہ، اور انبیاء علیہم السلام کے واقعات وحالات جگہ جگہ ذکر کئے گئے ہیں۔ قرآن کریم ان تاریخی واقعات کو محض اس لیے بیان نہیں کرتا کہ وہ ''واقعات'' ہیں، جن کا ایک تاریخ میں درج ہونا ضروری ہے، بلکہ اس کا مقصدِ وحید یہ ہے کہ وہ ان واقعات سے پیدا شدہ نتائج سے رشد وہدایت کی راہیں کھُلیں، موعظت وعبرت کا سامان مہیا ہو، اور انسانی عقل وجذبات کو اپیل کریں کہ وہ قوانینِ فطرت کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ان تاریخی نتائج سے سبق حاصل کریں، اور اس بات پر ایمان لائیں کہ: اللہ تعالیٰ کی ہستی اور وجود ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے، اور کائنات کی ہر حرکت وسکون، اور تغیر وتبدل میں اس کی ہی قدرت اور مشیت کار فرما ہے، لہٰذا ہر عقل مند اور دانا انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ کائنات کے سربستہ رازوں کو حاصل کرنے سے پہلے اس کائنات کے خالق و مالک تک رسائی حاصل کرے، اور پھر اس کی منشا اور مرضی کے مطابق اس کی بنائی ہوئی کائنات میں اور اس کے زیرِ ملکیت اس جہان ورنگ وبو میں تصرف کرے۔

قرآن کریم میں آدم علیہ السلام کا ذکر اور قرآنی اعجاز

قرآن عزیز میں حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر پچیس آیات میں پچیس مرتبہ آیا ہے، قرآن کریم کا یہ بھی ایک اعجاز ہے کہ وہ ایک ہی واقعہ کو مختلف سورتوں میں ان سورتوں کے مضامین کے مناسب نئے اور اچھوتے انداز میں بیان کرنے کے باوجود واقعہ کی اصل حقیقت اور اس کی متانت وسنجیدگی میں ادنیٰ سا فرق بھی نہیں آنے دیتا، کہیں واقعہ کی تفصیل ہے، کہیں اجمال، کسی مقام پر اس کا ایک پہلو نظر انداز کر دیا گیا ہے، تو دوسرے مقام پر اسی کو سب سے زیادہ نمایاں اہمیت دی گئی ہے، ایک جگہ اسی واقعہ سے مسرت و

ایک جعلی پیر کی تلبیس اور مسئلۂ توسل کی حقیت

مولانا محمد راشد گورکھپوری
استاذ شعبہ تحفظ ختم نبوت مظاہر علوم سہارنپور

ہمارے اس ملک ہندوستان میں ہزاروں کی تعداد میں مختلف علاقوں کے اندر مدارس ومکاتب قائم ہیں، ہر سال ہزاروں کی تعداد میں علماء حفاظ قراء اور مفتیانِ کرام فارغ ہوتے ہیں، اکثر وبیشتر مساجد میں دینیات کا بندوبست ہے، ہر شہر، قصبہ وقریہ میں مسلمانوں کو دین سے روشناس کرانے کی کوشش کی جاتی ہے، دینی واسلامی بیداری پیدا کرنے کے لئے جگہ جگہ جلسے، اجتماعات اور کانفرنسیں منعقد کی جاتی ہیں، ملی ادارے اور تنظیمیں پسماندہ علاقوں میں مکاتب کا جال بچھا کر مسلم بچوں کو دین کی ابتدائی وبنیادی باتوں سے واقف کرانے کی جدوجہد کرتے ہیں۔

ان سب کوششوں کے نتیجہ میں کہا جاسکتا ہے کہ آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے جس طرح جہالت ونادانی عام تھی اور بہت سے علاقوں میں نماز جنازہ پڑھانے والے افراد نہیں ملتے تھے، علماء کی جدوجہد اور مدارس ومکاتب کے قائم ہونے کے بعد یہ صورتحال نہیں رہی لیکن بایں ہمہ بعض علاقوں سے اب بھی ایسے واقعات کبھی سننے کو مل جاتے ہیں جو ایمانی غیرت وحمیت کو جھنجھوڑنے اور بدن کے رونگٹے کھڑے کردینے کے لئے کافی ہوتے ہیں۔

اسی طرح کا ایک واقعہ چند دنوں پہلے ایک معلوم گاؤں کے متعلق سننے میں آیا کہ؛ تبلیغی جماعت کے کچھ احباب مذکورہ گاؤں میں گئے اور وہاں کے لوگوں نماز کی دعوت دی، اس پر مخاطبین نے جو جواب دیا وہ نہایت تشویشناک اور غمزدہ کردینے والا تھا، انہوں نے کہا کہ: ہماری نمازیں معاف ہوچکی ہیں، ایک پیر صاحب ہمارے گاؤں میں آئے تھے، انہوں نے ہمیں بتایا کہ میں ہر مہینے تمہارے گاؤں آتا رہوں گا تم مجھے نذرانہ دے دیا کرو، تمہیں نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں، تمہاری نمازیں معاف ہیں۔

انبساط اور لذت وسرور پیدا کرنے والے نتائج نکالے گئے ہیں، تو دوسری جگہ واقعہ میں معمولی سا تغیر کیے بغیر خوف و دہشت کا نقشہ پیش کیا گیا ہے، بلکہ بعض مرتبہ ایک ہی مقام پر لذت والم دونوں کا مظاہرہ نظر آتا ہے، مگر موعظت وعبرت کے اس تمام ذخیرے میں ناممکن ہے، کہ نفسِ واقعہ کی حقیقت اور متانت میں معمولی سا بھی تغیر پیدا ہوجائے۔ بلاشبہ یہ کلامِ الٰہی کے ہی شایانِ شان ہے، اور اعجاز قرآنی کے عنوان سے معنون ہے، اور متضاد صفات کے حامل ''حضرتِ انسان'' کی فصاحت و بلاغت کے مدارجِ علیا کی دسترس سے باہر! **افلا یتدبرون القرآن، ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیرا** (نساء :۸۲)۔

کیا وہ قرآن کے متعلق غور وفکر سے کام نہیں لیتے ؟ اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیر کا کلام ہوتا تو بلاشبہ وہ اس میں (قسم قسم کے) کے تضاد واختلاف کو پاتے)۔ باقی آئندہ۔

تکبر کی نیت سے تواضع کا اظہار مذموم ہے:

مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آج کل تواضع کی شکل میں تکبر ہوتا ہے۔ یعنی بہت سے لوگ صورت تواضع اس لیے اختیار کرتے ہیں کہ لوگ ان کی اور زیادہ تعریف کریں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ صاحب میں تو کوئی چیز نہیں ہوں اور دل میں یہ ہوتا ہے کہ میں سب کچھ ہوں۔ یہ صرف اس لیے کہتا ہے کہ سننے والے اور زیادہ تعریف کریں گے۔ اور اس کا امتحان کہ ان الفاظ سے واقعی تواضع مقصود ہے یا محض تصنع اور بناوٹ ہے یہ ہے کہ جب یہ کہا جائے کہ میں نالائق ہوں اور سامع بھی اگر اس کی موافقت کرے اور کہے کہ واقعی آپ نالائق ہیں تو پھر دیکھئے ان کی کیا حالت ہوتی ہے۔ (تفصیل التوبہ ص ۳۴)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص مجمع میں اپنی مذمت بیان کرے اس نے درحقیقت اپنی مدح کی ہے، کیونکہ ظاہر ہے کہ اس وقت لوگ اس کی مدح کریں گے اور یہ کید نفس ہے کہ لوگوں سے اپنی مدح کرا کر خوش ہونا چاہتا ہے جس کی یہ سبیل نکالی ہے کہ خود اپنی مذمت کرنے لگے اور یہ علامات ریاء میں سے ہے۔

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جیب بھرو پیر اور مولوی نما بطن پرست لوگ کس حد تک گر سکتے ہیں اور حرام کا نذرانہ بٹورنے کیلئے ضلالت وگمراہی پھیلانے میں کہاں تک جاسکتے ہیں؟ گویا شریعت سازی کا حق اور فرائض کو معاف کرنے کا اختیار ان دنیا پرور دجالوں کے پاس آچکا ہے۔(نعوذ باللہ)

بلاشبہ ایسے ہی لوگ بھیڑ کے روپ میں بھیڑیا اور خوشنما کیپسول کی شکل میں زہر بیچنے والے ہوتے ہیں، اوریشترون بآیات اللہ ثمنا قلیلا کے مصداق اور بنی اسرائیل کے احبار ورہبان کی طرح بگڑ چکے ہیں، یہ لوگ اپنی بات پر اعتماد ویقین پیدا کرنے کے لئے مغالطہ دیتے ہوئے دلیلیں بھی پیش کرتے ہیں، اس سلسلے کی ایک آیت ملاحظہ فرمائیں:

پیر کا باطل استدلال

یاایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ وجاھدوا فی سبیلہ لعلکم تفلحون

(سورہ مائدہ آیت ۳۵)

اس آیت کو پیش کرکے بطورِ استدلال کہتے ہیں کہ اہل ایمان کو وسیلہ تلاش کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس پر فلاح وکامیابی کا مژدہ سنایا گیا ہے، اسی لئے ہم لوگ انبیاء، اولیا، اور بزرگوں کا وسیلہ اختیار کرتے ہیں اور ان کے دامن سے وابستگی کو ذریعہ نجات جانتے ہیں، اہل بدعت نے اس وابستگی کو اتنا بڑھا چڑھا کر پیش کیا کہ سیدھے سادے لوگوں کو بےعمل اور دین سے دور کردیا اور انہیں یہ کہہ کر مطمئن اور اعمالِ صالحہ سے بےفکر کردیا کہ ولیوں اور پیروں کے دامن سے چمٹ جاؤ وہ تمھیں بخشوالیں گے، تمہیں نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

دلیل کا تجزیہ

علمی بحث چھیڑنے سے پہلے یہ بات ہم صاف کردینا چاہتے ہیں کہ پیر کا یہ نظریہ سراسر کفر وضلالت پر مبنی ہے، فرقہ غیر مقلدیت، بریلویت کے غیر غالی علماء اور اہل سنت والجماعت دیوبند میں سے کسی کا یہ نظریہ نہیں ہے کہ نماز، روزہ اور اعمالِ صالحہ کو لغو اور بےکار قرار دے دیا جائے، اس لئے بندہ کی یہ تحریر اسی تناظر میں دیکھی جائے۔

سب سے پہلے وسیلہ کا لغوی معنی سمجھیں! وسیلہ وسل مصدر سے مشتق ہے جس کے معنی ملنے اور جڑنے

کے ہیں تو وسیلہ کا معنی ہوگا ”وہ چیز جو کسی کو کسی دوسرے کے ساتھ ملا دے“ (مفردات القرآن،لسان العرب،راغب اصفہانی) قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فی القاموس الوسیلة المنزلةعند الملک والدرجة والقربة والواسل الراغب وفی الصحاح الوسیلة التوصل الی شئ برغبة وھی اخص من الوصیلة لتضمنھا معنی الرغبة (تفسیر مظہری ۳/۹۱-۹۲طبع ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء) یعنی مرتبہ، درجہ، اور تقرب شاہی یہ سب وسیلہ کے معنی ہیں، واسل کے معنی ”راغب“ کے ہیں، صحاح میں ہے وسیلہ وصیلہ سے خاص ہے کسی چیز تک رغبت کے ساتھ پہونچنے کو وسیلہ کہتے ہیں اور وابستہ ہوجانے کو وصیلہ کہتے ہیں دونوں میں فرق صرف رغبت کا ہے۔

مفسر ابنِ کثیر رقمطراز ہیں:

عن ابنِ عباس:ای القربة، وکذا قال مجاھد وابو وائل والحسن وقتادہ وعبداللہ ابنِ کثیر والسدی وابن زید وغیر واحد، وقال قتادہ ای تقربوا الیه بطاعته والعمل بما یرضیه-----وھذالذی قاله ھؤلاء الائمة لا خلاف بین المفسرین فیه (تفسیر ابن کثیر ۲/۴۷، طبع ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۸ء،بیروت لبنان) حضرت ابنِ عباس سے منقول ہے کہ وسیلہ کے معنی قربت کے ہیں،حضرت مجاہد، ابووائل، حسن، قتادہ، اور بہت سے مفسرین سے یہی معنی منقول ہے، حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی اطاعت اوراس کی مرضی کے اعمال کرکے اس سے قریب ہوتے جاؤ، ان ائمہ نے وسیلہ کا جو معنی کیا ہے اس پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے، کسی کا اختلاف نہیں۔

یہی بات علامہ قرطبی نے بھی تحریر فرمائی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

الوسیلةھی القربةعن ابی وائل والحسن ومجاھد وقتادہ وعطاء والسدی وابن زید وعبداللہ ابنِ کثیر (تفسیر قرطبی ۶/ ۱۰۴، دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان،طبع ۱۴۲۰ھ/ ۲۰۰۰ء)

فتح القدیر میں ہے:

تقربوا الی اللہ بطاعته والعمل بمایرضیه (فتح القدیر ۲/ ۵۱،طبع ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء، دارالکتاب العربی بیروت)

یعنی اللہ کی فرمانبرداری اوررضامندی کے کام کرکے اس کا تقرب حاصل کرو۔

امام فخرالدین رازی لکھتے ہیں:

کانہ قیل:قد عرفتم کمال جسارۃ الیھود علی المعاصی و الذنوب و بعدھم عن الطاعات التی ھی الوسائل للعبد الی الرب ، فکونوا یا ایھا المؤمنون بالضد من ذلک، و کونوا متقین عن معاصی اللّٰہ، متوسلین الی اللہ بطاعات اللہ (تفسیر کبیر ۶؍۱۷۲،دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان)

گویا یہ کہا گیا کہ وہ طاعتیں جو بندوں کو رب تک پہونچانے کے وسائل ہیں ان سے دوری اور نافرمانیاں وگناہوں پر یہود کی انتہائی جسارت تم نے دیکھ لی، اس لئے اے مسلمانو!تم ایسا نہ کرنا بلکہ اللّٰہ کی نافرمانیوں سے ڈرنے والے بنواور اللّٰہ کی فرمانبرداری کر کے اس کا قرب حاصل کرنے والے بنو!

پس طلب وسیلہ سے مراد اللّٰہ کی خوشنودی حاصل کرنا ہے اور یہ خوشنودی عبادات وطاعت سے حاصل ہوگی۔

تفسیرِ کشاف میں ہے:

الوسیلۃ: کل مایتوسل بہ ای یتقرب (کشاف ۱؍۶۱۵طبع ۱۴۲۴ھ/ ۲۰۰۳ء)

حدیث شریف میں آتا ہے کہ وسیلہ جنت میں ایک اعلیٰ ترین منزل ہے،اس کو وسیلہ اسی بناء پر کہا گیاہے کہ وہ مقام جنت کے مقامات میں سے عرش کے سب سے زیادہ قریب ہے۔

مسلم شریف میں تین شخصوں کے ایک غار میں پھنس جانے اور اس مصیبت سے نکلنے کے لئے اعمالِ صالحہ کو وسیلہ بنانے کا ذکر ہے، بہر حال اہل لغت،سلف صالحین،حضرات تابعین، ائمہ مفسرین اور احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں اللّٰہ کی طرف وسیلہ ڈھونڈنے کا معنیٰ ہوگا: ’’ہر وہ چیز جو بندہ کو اپنے رب کے قریب کردے اور یہ قربت اللہ کی اطاعت اور رضامندی والے اعمال سے حاصل ہوتی ہے‘‘

اس مفہوم میں جس طرح ایمان واعمال صالحہ داخل ہیں،اسی طرح انبیاء وصالحین کی صحبت ومحبت بھی داخل ہے کیونکہ وہ بھی رضائے الٰہی کے اسباب میں سے ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ انبیاء واولیاء کی صحبت ومحبت پسندیدہ ضرور ہے؛لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ ان سے نام نہاد تعلق اور وابستگی کے بعد اعمالِ صالحہ کی ضرورت کا انکار کر دیا جائے ؛ کیونکہ یہ سراسر گمراہی وجہالت ہے اور اگر کوئی ڈھونگی نماز کی فرضیت وضرورت کا انکار کرتا ہے تو اس کے کفر میں کوئی شبہ نہیں۔

تبرکات

ملفوظات

از حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

مرتب: مولانا مفتی شعیب احمد بستوی

معین مفتی دارالافتاء مظاہر علوم سہارنپور

ارشاد فرمایا: کہ ایک صاحب نے اپنے مدرسہ کیلئے مجھ سے کسی مالدار سے سفارش چاہی تھی تو میں نے بجائے ترغیب ان کو لکھ دیا تھا کہ یہ شخص بڑے متدین ہیں اگر کوئی مدرسہ میں کچھ دے گا تو یہ مدرسہ میں پہونچادیں گے، باقی مبالغہ کیساتھ ترغیب دینا یہ تو آج کل مانگنا ہے مجھ کو اس سے بھی غیرت آتی ہے۔

ارشاد فرمایا: کہ لوگ فقط اعمال کو دیکھتے ہیں جبکہ دیکھنے کی چیز ہے آدمی کا قلب، کہ اس کے دل میں اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کس قدر ہے، عرب کے بدوی ہیں، گاؤں کے رہنے والے ہیں، مگر ان کے دل میں اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ اور زیادہ ضرورت اسی کی ہے کہ دل میں دین کی وقعت ہو، عظمت ہو۔

ارشاد فرمایا: کہ میں تو اس کو پسند کرتا ہوں کہ ہر شخص کام میں لگے، چاہے وہ دین کا ہو یا دنیا کا ہو، جو شخص مشغول ہوتا ہے وہ بہت سی خرافات سے بچا رہتا ہے۔

ارشاد فرمایا: کہ پہلے تو صرف آدمیوں کے نام رکھے جاتے تھے اب بکثرت مکانوں کے بھی نام رکھے جانے لگے، فلاں منزل، فلاں منزل، ایک قصبہ میں ایک چھوٹی سی کوٹھری کا نام مدرسہ دارالفیض رکھا گیا تھا، مدرسہ دیوبند اس قدر بڑا مدرسہ ہے اور بزرگوں کے وقت میں اس کا کچھ بھی نام نہیں تھا۔

ارشاد فرمایا: کہ محسن کشی کا خاص مرض آج کل عام ہو گیا ہے، بڑا ہی نازک زمانہ ہے اور یہ سب بد دینی کی بدولت ہو رہا ہے۔ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ حدیث میں یہ

قصہ آیا ہے کہ دو شخصوں میں مقدمہ ہوا، ایک ہار گیا اور ایک جیت گیا تو ہارنے والے نے کہا **حسبی اللہ ونعم الوکیل** جس کے معنی باعتبار محاورہ کے یہ ہیں کہ اللہ کی یہی مشیت تھی (وہی کافی اور بہترین کارساز ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کم ہمتی کو پسند نہیں فرماتے۔ اول کوشش کرو جب بالکل عاجز ہو جاؤ تب کہو۔ حسبی اللہ ونعم الوکیل

اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمادیا کہ تدبیر اور رضاء بہ تقدیر میں منافات نہیں ہے، اسی طرح قرآن مجید میں مسئلہ تقدیر کی حکمت بیان فرمائی کہ **لکیلا تأسوا علی مافاتکم** اس میں بھی بتلادیا کہ تقدیر کا مسئلہ اس لئے تعلیم کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو (کوشش کے بعد) ناکامی پر حسرت نہ ہو اور حسرت میں ہمت نہ گھٹے۔ تو یہ مسئلہ ہمت بڑھانے کو سکھایا گیا تھا نہ کہ گھٹانے کو۔ اب لوگ الٹا سمجھ گئے کہ کچھ نہ کرو ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ جاؤ۔ یہ سب کم علمی کی وجہ سے گڑبڑ ہو رہی ہے۔

ارشاد فرمایا: کہ آج کل بعض علماء کا بالخصوص مفتیوں کا یہ طرز نہایت برا ہے کہ سائل کے تابع بن جاتے ہیں خواہ اس کا سوال فضول ہو یا اس کے فہم سے بالاتر ہو، جواب ضروری سمجھتے ہیں، اس لئے میں مفتیوں سے کہتا ہوں کہ ان سب امور کو سوچ سمجھ کر جواب دیا کریں، یہ نہیں کہ بالکل سائل کے تابع بن جائیں بلکہ سائل کو بھی اس کی غلطی پر متنبہ کر دیا کریں۔

ارشاد فرمایا: کہ جو عمل خلوص اور محبت سے خالی ہو وہ بے مغز کا بادام، بے رس کا آم ہے اس کے (خلوص ومحبت) پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے اور جب تک نہ ہو اس وقت تک اس نقالی کو بھی بیکار نہیں سمجھنا چاہئے۔ اس لئے کہ صورت بھی کبھی سیرت تک پہونچا دیتی ہے۔ تعمیر الظاہر والباطن کی ضرورت ہے اگر اجتماعاً (ساتھ ساتھ) نہ ہو تو تعاقباً (یکے بعد دیگرے) ہی سہی، ہمارے حضرت حاجی صاحب (حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ) فرمایا کرتے تھے کہ اگر عمل ریاء سے بھی ہو تو اس کو نہیں چھوڑنا چاہئے، کرتا رہے، اس لئے کہ یہ ریاء سے عادت ہو جاتی ہے اور عادت سے عبادت۔

شریعت کی نظر میں

فتاویٰ مظاہر علوم

دارالافتاء مظاہر علوم سہارنپور

درزی حضرات کی دوکان پر لوگ کپڑا سلوانے آتے ہیں اور پھر واپس لینے کئی کئی مہینے تک بلکہ کبھی کبھی تو واپس آتے ہی نہیں مندرجہ بالا کپڑوں کی سلائی میں درزی حضرات کی جیب سے اچھی خاصی رقم خرچ ہوتی ہے مثلاً کاریگر کو سلائی کا محنتانہ، دھاگہ، بٹن، بکرم، استر کا کپڑا اور ہُک وغیرہ میں تقریباً ۱۸۰ سے ۱۹۰ روپیہ تک درزی ان کپڑوں کو تیار کرنے میں اپنی جیب سے خرچ کرتا ہے جب کہ اکثر درزی حضرات جو رسید گراہک کو دیتے ہیں اس پر صاف لکھا رہتا ہے کہ بیس دن یا ایک ماہ کے بعد ہماری کوئی ذمہ داری نہیں۔

اسی طرح اور بھی دوکاندار ہیں جو سامان کی مرمت کرتے ہیں مثلاً موٹر، وائنڈنگ کے لئے دوکان پر ڈال دی جس کی وائنڈنگ میں دوکاندار کی جیب سے اچھی خاصی رقم خرچ ہوجاتی ہے اور گاہک واپس نہیں آتا اسی طرح اور بھی دوکاندار ہیں جو مختلف سامان کی مرمت کرتے ہیں جس میں جیب کی رقم بھی خرچ ہوتی ہے اور گاہک سامان واپس لینے نہیں آتا ایسی صورت میں دوکاندار اس سامان کی کب تک حفاظت کریں اور پھر اس سامان کا کیا کریں۔ برائے کرام قرآن اور حدیث کے حوالے کے ساتھ جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً مصلیاً

صورت مسئولہ میں درزی کے پاس جو کپڑے سینے کیلئے آتے ہیں وہ اس کے پاس امانت ہیں اسی طرح دوسرے کاریگروں کے پاس جو سامان مرمت کیلئے آتے ہیں وہ بھی ان کے پاس امانت ہیں اس میں کسی طرح کی خیانت جائز نہیں ہے اور حتی الامکان اصل مالک تک رسائی حاصل کرکے (موجودہ دور میں بذریعہ موبائل فون وغیرہ یہ کام پہلے سے زیادہ آسان ہے) اسکو اسکا سامان واپس کرکے اپنی اجرت حاصل کرلی جائے اور مالک جب تک اجرت نہ دے اس وقت تک درزی یا مشتری کو یہ حق حاصل ہے کہ سامان یا کپڑا واپس نہ کرے اور جب تک مالک کے آنے کی امید ہو اس وقت تک اس کی حفاظت ضروری

ہے۔اور جب آنے کی امید نہ ہواوران لوگوں کومزید انتظار دشوار ہوا پنی رقم کیوجہ سے،توبظاہراس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے کہ اس کوفروخت کرکے اپنی رقم وصول کرلیں جیسا کہ رہن کے معاملہ میں جب راہن رقم ادانہ کرے تو مرتہن کواجازت ہوتی ہے کہ شئی مرہونہ کوفروخت کرکے اپنا روپیہ وصول کرلے(مستفاد از فتاویٰ دارالعلوم قدیم ص۸۹۷:،۲۹۸)اورخلاصۃ الفتاوی کی مندرجہ ذیل عبارت سے بھی مستفاد ہوتا ہے۔

لو مات البائع او المواجر او الراھن فالذی فی یدہ العبد احق بہ من سائر الغرماء یباع فی دینہ...وفی الفتاوی الصغریٰ لو مات الآجر وعلیہ دین فالمستاجر احق بالمستاجر من غرمائہ (خلاصۃ الفتاویٰ ۳/ ۱۴۳)البتہ اپنی رقم وصول کرنے کے بعد اگرکچھ رقم بچ جائے اور مالک سے اس کی امید منقطع ہوجائے اوراس کے ورثہ کا بھی علم نہ ہوسکے تو اسکا حکم مثل لقطہ کے ہوگا کہ اسکو اصل مالک کی طرف سے صدقہ کردے۔فقط واللہ اعلم بالصواب

کھڑے ہو کر کھانا

(۱) مسلمان اس وقت دعوتوں میں کھڑے ہوکر کھانے کا نظم کررہے ہیں اوراس کو باعث عزت سمجھ رہے ہیں بعض جگہوں پر کرسیوں کا بھی ساتھ میں نظم ہوتا ہے جس میں مہمان خود کھانا لیکر کھاتے ہیں۔ جن دعوتوں میں اس طرح کھانے کا نظم ہواس میں شرکت درست ہے یا نہیں۔

(۲) عوام کے علاوہ علماء کرام ومفتیان عظام ائمہ ودیندار حضرات کیلئے اس طرح کی دعوتوں میں شرکت کا کیا حکم ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق (۲-۱) الثالث ان یوضع الطعام علی السفرۃ الموضوعۃ علی الارض فھو أقرب إلی فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من رفعہ علی المائدۃ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اتی بطعام وضعہ علی الارض فھو أقرب إلی التواضع۔ (احیاء علوم الدین للغزالی ۲/ ۷/ ۴)

تیسرا ادب کھانے کے متعلق — کھانا رکھاجائے زمین پر دسترخوان کے اوپر، یہ طریقہ آپ علیہ السلام کے فعل کے زیادہ قریب ہے اس کے بالمقابل کہ کھانا کسی اونچی چیز پر رکھ کر کھایا

جائے، آپ علیہ السلام کے پاس جب کھانا لایا جاتا تو زمین پر (دسترخوان پر) رکھتے، یہ طریقہ تواضع کے زیادہ قریب ہے۔

نیز مصنف عبد الرزاق میں روایت ہے، **انما انا عبدٌ آکلُ کمایا کل العبد** میں غلام (بندہ) ہوں اس طرح کھاتا ہوں جیسے غلام کھاتا ہے اور ایسے بیٹھتا ہوں جیسے غلام بیٹھتا ہے یعنی تواضع کے ساتھ۔

اِن روایات وعبارات سے معلوم ہوا کہ کھڑے ہو کر کھانا خلافِ سنت ہے متکبرین کا طریقہ ہے۔ امت میں یہ شنیع (برا) طریقہ غیروں سے آیا ہے اس میں ادب کی بھی مخالفت ہے، سنت کی بھی مخالفت ہے، بلکہ فعلِ بہائم (جانور) کی مشابہت ہے، اس لئے اس طریقہ سے احتراز لازم ہے، سنت کو چھوڑ کر غیروں کے طریقہ میں امت کیلئے فلاح نہیں ہے۔

اگر وہاں بیٹھ کر کھانے کا بھی نظم ہو تو شرکت کی گنجائش ہے، البتہ علماء ومقتدیٰ حضرات کیلئے شرکت مناسب نہیں تاکہ عملی طور پر بھی ان کی طرف سے نکیر ہو جائے۔

رُوئے خزاں پہ رنگ بہاراں

شاعر ملت قاری محمد اسحاق حافظ سہارنپوریؒ

برہم بہت نظام گلستاں ہے آج کل
ہر برگ وگل چمن کا پریشاں ہے آج کل

ہم پر نگاہ گردش دوراں ہے آج کل
صبح وطن بھی شام غریباں ہے آج کل

اک پل کا بھی نہیں ہے زمانے میں اعتبار
اک اک قدم پہ موت کا ساماں ہے آج کل

اخلاق کی بھی روح بدن سے نکل چکی
انسانیت کا جسم بھی بے جاں ہے آج کل

ہندو کے ہاتھ دھرم کی مٹی خراب ہے
مسلم سے خوار دہر میں ایماں ہے آج کل

یوں تو کوئی بھی شے یہاں ارزاں نہیں رہی
اک آدمی کا خوں ہے، جو ارزاں ہے آج کل

فطرت کا یہ فُسونِ دورنگی تو دیکھنا
رُوئے خزاں پہ رنگ بہاراں ہے آج کل

کس کو اُمید، کوئی تمنا بَر آئے گی
یہ خواب ایک خوابِ پریشاں ہے آج کل

اہلِ جہاں سے عقل گریزاں ہے آج کل
اپنا ہی ہاتھ اپنا گریباں ہے آج کل

اخبار مظاہر

ترتیب: عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

طلبہ کے لئے تربیتی بیان

مظاہر علوم سہارنپور میں ہر سال طلبہ کی تربیت اور ان کو خصوصی ہدایات جاری کرنے کے لئے سال کے شروع میں تربیتی مجلس منعقد ہوتی ہے جس میں ذمہ داران مدرسہ ومختلف اساتذۂ کرام کے بیانات ہوتے ہیں، یہ تربیتی مجلسیں تعلیم کے ساتھ طلبہ کی اخلاقی تربیت میں بڑی مؤثر ہوتی ہیں۔

امسال ماہِ ذی قعدہ کے شروع میں مظاہر علوم کے امین عام حضرت مولانا سید محمد شاہد الحسنی نے اس تربیتی مجلس میں طلبہ سے خطاب کیا، مولانا نے فرمایا کہ ”البركة مع اكابركم“ ہر طرح کی صلاح وفلاح صرف اور صرف اپنے بڑوں کے نقشِ قدم پر چلنے میں ہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنے بڑوں کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ کیا جائے، دیکھا جائے کہ زندگی کے ہر شعبہ میں اور خاص طور سے طلبِ علم کی راہ میں ہمارے بڑوں کا طریقۂ عمل کیا رہا ہے، اس کو اپنی زندگی میں لائیں۔

اسی طرح طلبہ اپنے کردار وعمل کو کس طرح امت کے لئے مؤثر بنائیں، کس طرح اخلاقی اقدار کو پروان چڑھائیں ان موضوعات پر تقریباً ایک گھنٹہ تک حضرت مولانا کا یہ خطاب ہوا، امسال طلبہ کی تربیت کے عنوان سے یہ پہلی باقاعدہ مجلس تھی۔

انعامی مسابقہ

مظاہر علوم کی مجلس شوریٰ نے اپنے گذشتہ اجلاس میں یہ طے کیا کہ مظاہر علوم سہارنپور کے زیر انتظام مختلف مقامات پر جو مکاتب دینیہ قائم ہیں، ان کے نظام تعلیم کو مزید مؤثر بنانے اور طلبہ وعوام کی تشویق کے لئے ایک انعامی مسابقہ کرایا جائے، چنانچہ اس کے لئے ماہ جولائی ۲۰۲۳ء کی دو تاریخیں (۲۳/و ۳۰/جولائی) طے کرلی گئی ہیں۔

یہ مسابقہ ناظرۂ قرآن کریم اور دینیات کا ہوگا، جس میں تمام مکاتب سے پانچ، پانچ لڑکوں کو شریک کرکے پانچ زون میں پہلے مسابقہ ہوگا، پھر اِن مسابقوں میں پوزیشن لانے والے طلبہ کا ایک فائنل مسابقہ مظاہر علوم سہارنپور میں منعقد کیا جائے گا۔جس میں یہاں کے ذمہ داران اور اساتذۂ کرام کی موجودگی میں پوزیشن لانے والے تمام طلبہ کو مظاہر علوم کی جانب سے بہت سارے انعامات سے نوازا جائے گا۔ (تفصیلی روداد ان شاء اللہ اگلے شمارہ میں)

مسلم پرسنل لا کی میٹنگ میں شرکت

مظاہر علوم سہارنپور کے امین عام مولانا سید محمد شاہد الحسنی کو ۲۰۱۸ء میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا رکن بنایا گیا، اس وقت سے برابر مسلم پرسنل لا کی میٹنگوں میں شرکت فرماتے ہیں، صدر مسلم پرسنل لا حضرت مولانا سید محمد رابع حسنیؒ کے انتقال کے بعد نئے صدر کے انتخاب کے سلسلہ میں مؤرخہ ۳/و ۴/جون ۲۰۲۳ء کو اجین (ایم پی) میں اس کا اہم اجلاس منعقد ہوا، اجلاس کی اہمیت کے پیش نظر اپنے ضعف اور جسمانی اعذار کے باوجود مولانا وہاں تشریف لے گئے اور جلاس کی تمام نشستوں میں شرکت فرمائی، اجلاس کی دوسری نشست میں جب نئے صدر کے طور پر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کے منتخب کئے جانے کی تجویز مولانا محمد سفیان قاسمی مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند نے رکھی تو اولین تائید کرنے والوں میں حضرت مولانا سید محمد شاہد الحسنی بھی تھے۔یہ اجلاس اپنی نوعیت کا اس معنی کر اہم اجلاس تھا کہ ملک کے موجودہ حالات میں مسلم پرسنل لا بورڈ کی صدارت کے لئے ایک موزوں اہم شخصیت کا انتخاب ہونا تھا ،الحمد للہ وہ خیر وخوبی سے تمام ہوا، اور اتفاق رائے سے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کو صدر منتخب کرلیا گیا۔

طابع، ناشر، مدیر (مولانا) محمد عاقل (صاحب) ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے

سبھاش پرنٹنگ پریس نواب گنج چوک سہارنپور سے چھپوا کر

دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور سے شائع کیا

خریدار حضرات کے پتوں کی سلپ پر مدت خریداری کی اطلاع درج ہے اگر مدتِ خریداری ختم ہوگئی ہوتو 300/ روپئے سالانہ کے حساب سے ارسال فرمائیں۔(ادارہ)

R.N.I. REGD. NO. 62469/95U.M.
URDU MONTHLY MAGAZINE
MAZAHIR ULOOM
SAHARANPUR



AL-Fazl Computer Sre. 9359209995

Rs. 30/-

MADRASA MAZAHIR ULOOM
SAHARANPUR-247001 (U.P.) INDIA, PH. 0132-2655542
E-Mail: jamiamazahir@gmail.com